



يَا اللَّهُ

توحيد
اک

شُرک کی حقیقت

قرآن و حدیث کے روشنی میں

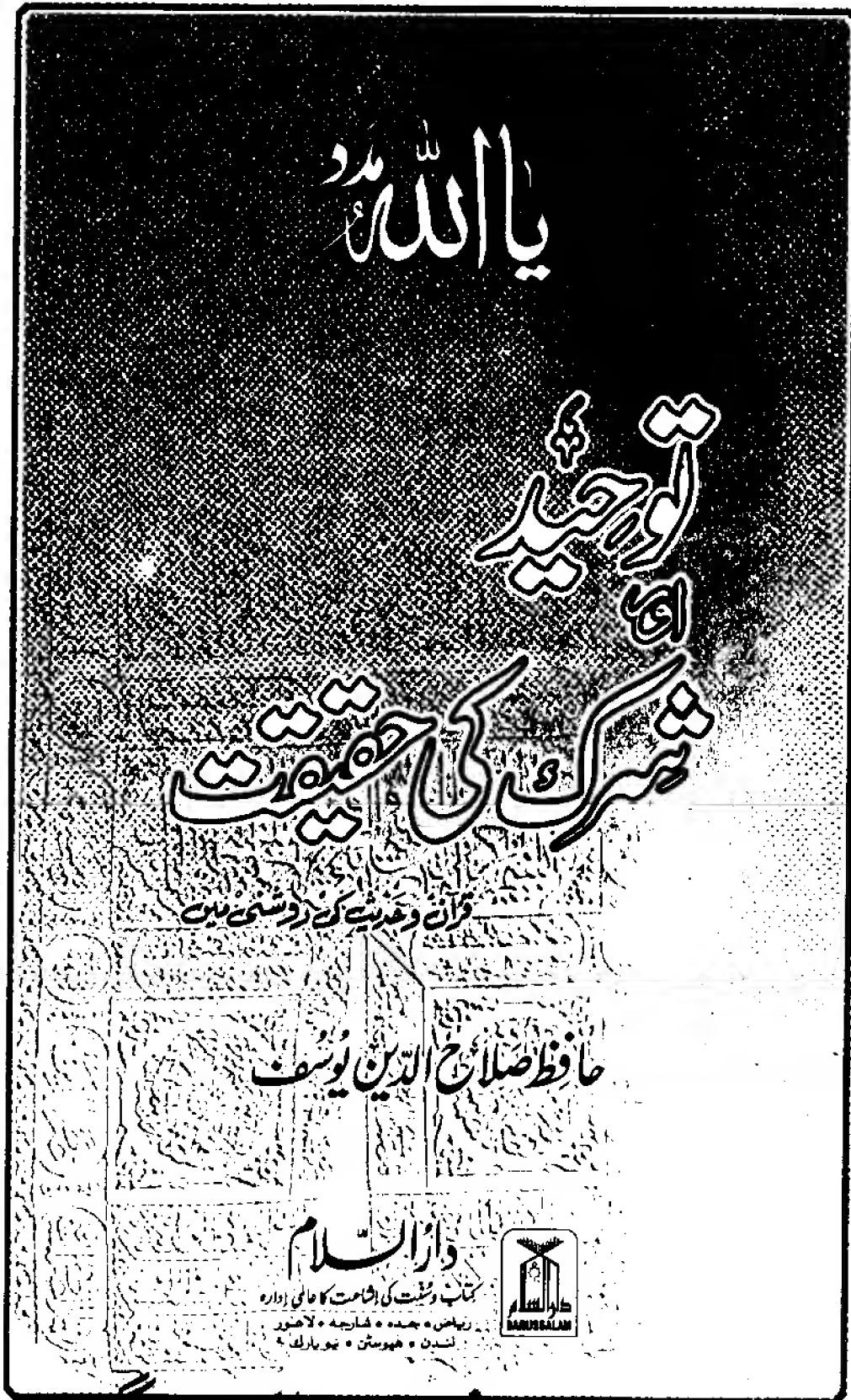
ماہر صلاح الدین یوسف



دارالسلام

مکتب و نشریات کی اشاعت کا عالمی ادارہ

uploaded by tahir alvi
peegam-e-tawheed@yahoo.com



شوروم - والی کتاب گھر
چوک اردو بازار نزد جامعہ مجریہ کوہرانوالہ 14-1613-444

محقوق اشاعت کے دارالسلام سنٹر ہیں

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جده • شارجہ • لاہور
لندن • ہیوسٹن • نیویارک



بھارتی دارالسلام

پوسٹ بکس: 22743 الزلیف: 11416 سعودی عرب
فون: 4033962-4043432 00966 1 فیکس: 4021659
E-mail: darussalam@awalnet.net.sa
Website: www.dar-us-salam.com

- طریقہ کار - الزلیف - الزلیف فون: 4614483 00966 1 فیکس: 4644945
- شارع الامین - الملز - الزلیف فون: 4735220 فیکس: 4735221
- بڈہ فون: 6879254 00966 2 فیکس: 6336270
- البر فون: 8692900 00966 3 فیکس: 8691551
- شارجہ فون: 5632623 00971 6 فیکس: 5632624

بھارتی دارالسلام

- 36 - روزنامہ: سیکرٹریٹ ٹاپ لاہور
- فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 0092 42 فیکس: 7354072
- E-mail: darussalampk@hotmail.com
- غزنی شریف، اردو بازار لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703
- اردو بازار گوجرانوالہ فون: 741613-431-0092 فیکس: 741614
- فون: 5202666 208 0044 فیکس: 5217645 208
- بوسن فون: 7220419 001 713 فیکس: 7220431
- نیپال فون: 6255925 001 718 فیکس: 6251511

فہرست مضامین

7	عرض مصنف
13	باب اول : لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ معنی و مطلب اور مقام و فضیلت
13	معنی و مطلب
15	” لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ “ کا تقاضا
15	” لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ “ کا مقام و مرتبہ
17	” لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ “ کی فضیلت
19	” لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ “ کے فائدہ مند ہونے کی شرائط
19	ثمرات و برکات
22	محض زبان سے کلمہ پڑھنا کافی نہیں، اس کے تقاضوں پر عمل کرنا بھی ضروری ہے
24	ایک اور شبہ اور اس کا ازالہ
29	باب دوم : توحید کی حقیقت، قسمیں اور تقاضے
29	توحید ربوبیت
31	مشرکین اور توحید ربوبیت
32	توحید الوہیت
35	توحید الوہیت کے لوازم
37	توحید اسماء و صفات
40	توحید اسماء و صفات کے تقاضے
41	توحید، بندوں پر اللہ کا سب سے بڑا حق ہے

باب سوم: شرک کیا ہے اور مشرک کون؟

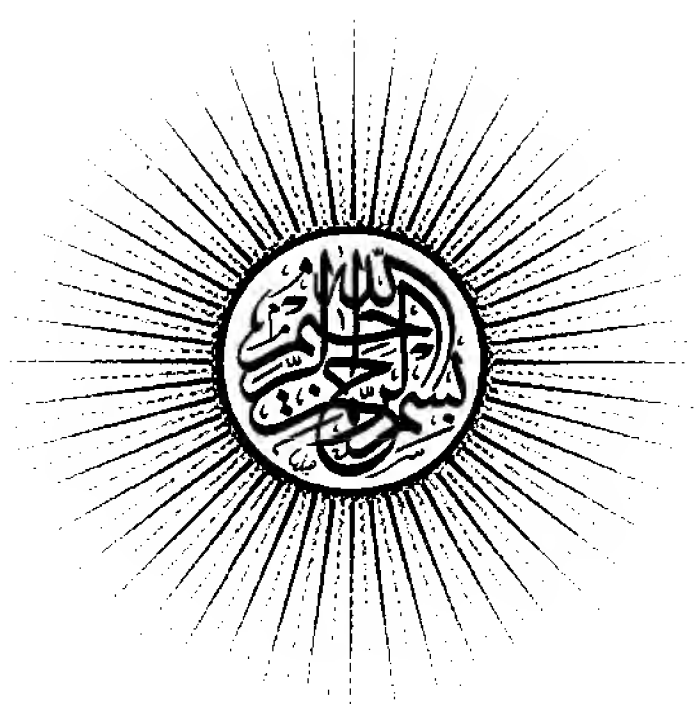
- 46
 47 دو خالق اور دو معبودوں کا عقیدہ، شرک کی پہلی قسم
 48 شرک کی دوسری اور عام قسم
 51 کیا مسلمانوں کو ان کے مشرکانہ عقائد کی وجہ سے مشرک نہیں کہا جاسکتا؟
 56 کیا امت مسلمہ، شرک کا ارتکاب نہیں کرے گی؟
 58 دیگر ارشادات رسول کی روشنی میں زیر بحث نکلتے کی وضاحت
 67 مذکورہ تعلیمات کے مقابلے میں فاسد العقیدہ لوگوں کا طرز عمل
 71 مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب مدد مانگنے کا مطلب
 74 لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا مطلب

باب چہارم: استدلالات اور ان کا جائزہ

- 77
 79 کیا بزرگان دین کو مدد کے لئے پکارنا شرک نہیں ہے؟
 81 صحابہ و تابعین نے کسی بھی فوت شدہ کو کبھی نہیں پکارا
 82 فوت شدگان سے استغاثہ کرنا اور ان کا وسیلہ پکڑنا جائز نہیں
 84 امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ایک واقعہ
 85 علامہ آلوسی بغدادی کی وضاحت
 86 وسیلے کی جائز صورتیں
 89 ناجائز اور ممنوع وسیلہ
 92 صنم پرست مشرکین بھی فاعل حقیقی اللہ ہی کو مانتے تھے
 93 قوم نوح کے پانچ بت، بھی دراصل اللہ کے نیک بندوں ہی کے نام تھے
 94 بے خبر مسلمانوں کا شرک... بزرگان دین کی تصریحات
 95 حضرت مہد الف ثانی رحمہ اللہ

- 95 حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
- 96 شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
- 97 فقہ حنفی کی صراحت (قبروں پر کئے جانے والے کام حرام ہیں)
- 98 فتاویٰ عالمگیری کا فتویٰ
- 99 اللہ کے سوا کسی اور کو عالم الغیب سمجھنا کفر ہے
- 100 یا شیخ عبدالقادر شیناؒ کیوں ناجائز ہے؟
- 102 قبر پرستوں کا شرک صریح، ایک نمونہ
- 104 کیا غائب کو پکارنا شرک نہیں؟ واقعہ یا ساریۃ الجنبل؟
- 105 ایک مجہول الحال آدمی کے خواب سے استدلال
- 107 ”الادب المفرد“ کی ایک روایت سے استدلال اور اس کی حقیقت
- 111 عبادت کسے کہتے ہیں اور معبود کون ہوتا ہے؟
- 114 ایک اسکر کا تجزیہ، ایک دعوائے بلا دلیل
- 116 بسم اللہ کی باء سے استمداد لغیر اللہ کا جواز؟
- 118 ہماری گزارشات





عرض مصنف (طبع دوم)

- قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے شرک کو ظلم عظیم قرار دیا ہے۔
﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (لقمان ۱۳/۳۱)
”یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔“
- جو شخص شرک کرتا ہوا مر گیا، زندگی میں اس نے شرک سے توبہ نہیں کی، تو قیامت کے دن اس کی مغفرت نہیں ہوگی۔
﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾
(النساء ۴۸/۴)
- ”بلاشبہ اللہ اس بات کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، البتہ اس کے علاوہ گناہ، جس کے لئے چاہے گا، معاف فرما دے گا۔“
- مشرک پر اللہ نے جنت کو ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا ہے۔
﴿إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾ (المائدة: ۷۲/۵)
- ”بلاشبہ جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں (مشرکوں) کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔“
- مشرک کا کوئی عمل مقبول نہیں، اس کے سارے اعمال برباد ہوں گے۔
﴿وَلَقَدْ أَوْحَىٰ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكَتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (الزمر ۳۹/۶۵)
- ”یقیناً آپ کی طرف اور آپ سے پہلے (پیغمبروں میں سے ہر پیغمبر) کی طرف یہ وحی کی گئی کہ اگر تم نے شرک کا ارتکاب کیا، تو تمہارے عمل برباد ہو جائیں گے اور تم

نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔“

○ ایک اور مقام پر اٹھارہ پیغمبروں کا ذکر کر کے اللہ نے فرمایا:

﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (الانعام ۸۸/۶)

”اور اگر ان سے شرک کا ارتکاب ہو جاتا تو ان کے سارے عمل اکارت جاتے۔“

انبیاء علیہم السلام سے شرک کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا، اس کے باوجود اللہ نے پیغمبروں کا نام لے کر حتیٰ کہ سید المرسل، خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے خطاب فرما کر شرک کی بابت یہ اعلان فرمایا کہ شرک سے سارے عمل برباد ہو جائیں گے۔ مطلب پیغمبروں کی امتوں کو اور آخر میں آخری امت -- امت محمدیہ -- کو تنبیہ کرنا ہے کہ شرک نہایت خطرناک عمل ہے جو اس میں ملوث ہو گیا، وہ تباہ و برباد ہو گیا۔ اسی لئے ایک حدیث میں نبی ﷺ نے حضرت معاذ کو ایک وصیت یہ فرمائی تھی:

«لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ شَيْئًا وَإِنْ قُتِلْتَ وَحُرِّقْتَ» (مسند احمد: ۵/۲۳۸)

”اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا، اگرچہ تجھے قتل کر دیا جائے یا جلادیا جائے....“

لیکن ہمارے معاشرے میں، شرک کی بابت اتنی صراحتوں کے باوجود ”یا علی مدد“ --- ”یا رسول اللہ مدد“ --- ”اَعِثْنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ“ ”اللہ کے رسول! میری مدد فرمائیے“ ”اَذْرِكُنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ“ ”اے اللہ کے رسول مجھے سہارا دیجئے!“ ”اَذْرِكُنِي يَا صَاحِبَ الزَّمَانِ“ ”اے زمانے کے مالک میرا دست و بازو بن جا“ وغیرہ نعرے ورد زبان رہتے ہیں۔ آخر الذکر نعرہ شیعہ حضرات میں بڑا مقبول ہے، صاحب الزمان سے مراد ان کے امام غائب ہیں جسے مہدی منتظر بھی کہا جاتا ہے۔ بعض مسجدوں میں یہ طغریٰ لکھا ہوا ہے۔

يَا رَسُولَ اللَّهِ! اُنْظُرْ حَالَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ! اِسْمَعْ قَالَنَا
اِنِّي فِي بَخْرِ النِّعَمِ مُغْرَقٌ خُذْ بِيَدِي سَهْلًا لَّنَا اَشْكَالَنَا
”اے اللہ کے رسول! ہمارا حال دیکھئے، اے اللہ کے رسول! ہماری بات سنئے! میں غم

کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہوں، میرا ہاتھ پکڑیے اور ہماری مشکلات آسان فرمائیے!“

اسی طرح بہت سے اصحاب القبور اور فوت شدہ بزرگوں سے بھی مدد طلب کی جاتی

ہے۔ جیسے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ یا شیخ عبدالقادر شینا رحمۃ اللہ علیہ ”اے عبدالقادر! اللہ کیلئے مجھے کچھ دیں“ یا کہا جاتا ہے۔

امداد کن امداد کن در دین و دنیا شاد کن
از قید و بند غم آزاد کن یا شیخ عبدالقادر

”امداد کر! امداد کر! ہمیں دین و دنیا میں خوش کر غموں کی قید سے ہمیں آزاد کر“ اے شیخ عبدالقادر!

یہ اور اس قسم کے بہت سے نعرے، اشعار اور استغاثے کے کلمات ہیں، جو مُشرکانہ ہیں، یعنی سب میں اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود عوام میں یہ نعرے اور دعائیں کلمات عام ہیں۔

اس کی ایک وجہ تو عوام کی جمالت ہے، وہ جانتے ہی نہیں ہیں کہ دین کیا اور اس کی اصل حقیقت کیا ہے؟ توحید کیا اور اس کے تقاضے کیا ہیں؟ شرک کیا اور کن کن باتوں میں شرک کی آمیزش ہے؟ اور ان کے ارتکاب سے آدمی مشرک ہو جاتا ہے؟

دوسری وجہ، ان کے علماء کے وہ مغالطے ہیں، جن کے ذریعے سے انہوں نے عوام کو مختلف عنوانات سے شرکیہ عقائد و اعمال میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ کبھی اسے ”عشق رسول“ اور ”محبت اولیاء“ کا عنوان دیا جاتا ہے، کبھی اسے وسیلہ قرار دے کر اس کا جواز مہیا کر دیا جاتا ہے اور کبھی شرک کو صرف پتھر کی مورتیوں کے ساتھ مخصوص کر دیا جاتا ہے، اور کبھی کہہ دیا جاتا ہے کہ مسلمان سے شرک کا ارتکاب ہو ہی نہیں سکتا، حتیٰ کہ بعض اہل توحید بھی یہ کہنے لگ گئے کہ قبر کے پجاری، اگرچہ فساد عقیدہ کا شکار ہیں، لیکن انہیں مشرک نہیں کہا جاسکتا۔ گویا بقول حالی، یوں کہا جاسکتا ہے۔

جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر کرے غیر گربت کی پوجا تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر کہے آگ کو اپنا قبلہ تو کافر

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام گبڑے نہ ایمان جائے

گویا مسلمانوں کا ایمان اتنا پختہ ہے کہ چاہے ان کے عقائد و اعمال بھی اتنے ہی مشرکانہ ہوں جیسے مشرکین مکہ کے تھے یا دوسرے مشرکوں کے ہو سکتے ہیں، لیکن پھر بھی وہ مسلمان کے مسلمان اور موحد کے موحد ہی ہیں۔ یہ تو وہی یسود و نصاریٰ والی بات ہوئی، کہ انہوں نے مشرکانہ اور اللہ کو ناراض کرنے والے عقائد و اعمال اختیار کر لئے، لیکن دعویٰ وہ یہی کرتے رہے:

﴿مَنْ آٰبَنَکُوا اللّٰہَ وَآٰحَبَّکُمْ﴾ (المائدہ: ۱۸/۵)

”ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔“

یہی حال اب مسلمانوں کا ہے۔ انہوں نے بھی شرکیہ عقائد و اعمال اختیار کر لئے ہیں، لیکن ان کے احبار و رہبان اور مشائخ ان کو یہی باور کرا رہے ہیں کہ تم تو مسلمان ہو، تم مشرک کس طرح ہو سکتے ہو؟ تم تو اللہ کے محبوب کی محبوب امت ہو، تم جہنمی کیوں کر ہو سکتے ہو؟ جہنم تو مشرکوں کا مقدر ہے، تمہارے لئے تو جنت اور اس کی نعمتیں ہیں۔

یوں یہ لوگ اللہ کو (نعوذ باللہ) ظالم اور غیر منصف باور کرانا چاہتے ہیں کہ وہ جن مشرکانہ عقائد و اعمال کی وجہ سے غیر مسلم قوموں کو جہنم کا ایندھن بنائے گا، مسلمانوں کو وہ انہی عقائد و اعمال کے باوجود جنت عطا فرمائے گا۔ کیا ایسا ممکن ہے؟ کیا اللہ کی بابت اس ظلم اور ناانصافی کا تصور کیا جاسکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں، عادل ہے۔ قیامت کے دن وہ بے لاگ عدل و انصاف کا اہتمام فرمائے گا، وہ مشرک کو کبھی جنت میں داخل نہیں فرمائے گا، چاہے اس کا تعلق کسی بھی نسل اور مذہب سے ہو گا۔ وہاں نسل اور مذہب ہی

نسبتوں کی بنیاد پر فیصلے نہیں ہوں گے، بلکہ صرف عقیدہ و عمل کی بنیاد پر ہوں گے۔ وہ عقیدہ و عمل جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کردہ قرآن اور آپ کے بیان کردہ عقیدہ و عمل کے مطابق ہو گا اور آپ سے پہلے لوگوں کا عقیدہ و عمل سابقہ انبیاء کے بتلائے ہوئے عقیدہ و عمل کے مطابق ہو گا۔

اس لئے ضروری ہے کہ توحید اور شرک کی اور ان مغالطوں کی حقیقت سمجھی جائے جو ان دونوں کو گڈمڈ کرنے والے ہیں تاکہ مسلمان توحید کو اپنائیں، جس میں نجات ہے اور شرک سے بچیں، جس کی سزا جہنم ہے۔ اسی بنیادی ضرورت کے پیش نظر یہ رسالہ شائع کیا جا رہا ہے۔

اس میں سب سے پہلے کلمہ طیبہ ”لا الہ الا اللہ“ کا معنی و مفہوم اور اس کے تقاضوں کو واضح کیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں توحید کی حقیقت اور اس کی قسموں کا بیان ہے۔ تیسرے باب میں شرک کی حقیقت، اس کی قسموں اور مظاہر کی تفصیل ہے۔ چوتھے باب میں ان مغالطوں کی وضاحت ہے، جن سے شرک کا جواز مہیا کیا جاتا ہے یا کم از کم ان سے شرک کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

یہ مغالطے بڑے عام ہیں اور مختلف نوعیت کے ہیں، اس لئے ان پر قدرے تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے، تاکہ توحید کی حقیقت پوری طرح نکھر کر سامنے آجائے۔ کیونکہ ظلمت شب کے دور ہونے پر ہی صبح روشن کا اُجالا پھیلتا اور نمایاں ہوتا ہے۔

بیاں میں نکتہ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہئے

ایک وضاحت: کتاب کے مختلف ابواب الگ الگ مواقع پر تحریر کئے گئے ہیں، اس لئے ان میں بعض چیزوں کی تکرار محسوس ہوگی۔ اسی طرح مختلف مغالطوں اور پہلوؤں کی وضاحت میں بھی تکرار کے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔ بتائیں قارئین اس تکرار کو برداشت کریں۔ علاوہ ازیں تکرار بعض جگہ مفید اور ناگزیر ہوتی ہے، اس لئے یہ تکرار نکتہ توحید کی وضاحت اور فہم میں ان شاء اللہ مدد ہی ثابت ہوگی۔ علاوہ ازیں اس ایڈیشن میں متعدد

اضافے کئے گئے ہیں جن میں فضیلۃ الشیخ صالح بن فوزان بن عبداللہ الفوزان حفظہ اللہ کے ”محاضرات فی العقیدۃ والدعوة“ سے خاص استفادہ کیا گیا ہے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

(حافظ) صلاح الدین یوسف

مدیر شعبہ تحقیق و تصنیف، دارالسلام، لاہور۔

رجب ۱۴۲۲ھ - اکتوبر ۲۰۰۱ء



باب : اول

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ معنی و مطلب

اور مقام و فضیلت

معنی و مطلب : لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ میں لَا لائے نفی جنس ہے اور اِلَہ اس کا اسم ہے اور خبر محذوف ہے ، یعنی لَا إِلَهَ حَقُّ (نہیں ہے کوئی معبود برحق) إِلَّا اللَّهُ (مگر اللہ) یہ خبر (حَقُّ) سے استثناء ہے۔

اِلَہ کے معنی ہیں ، وہ ذات جس کی عبادت میں دل و ارفتہ ہو۔ یعنی اسی کی طرف دل مائل ہوں اور حصولِ نفع یا دفعِ ضرر کے لئے اسی کی طرف رجوع اور رغبت کریں۔ یہ کلمہ اثبات اور نفی دو چیزوں کا مجموعہ ہے۔ تمام مخلوقات سے الوہیت کی نفی اور اللہ کے لئے الوہیت کا اثبات۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے اور اس کے سوا ، مشرکین نے جتنے بھی معبود بنا رکھے ہیں ، سب باطل ہیں۔

﴿ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ ﴾ (الحج ۲۲/۶۲)

”یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور اس کے سوا جن کو وہ پکارتے ہیں ، باطل ہیں۔“
یہ ترکیب ، جس میں پہلے نفی ہے اور پھر اثبات ، مثبت ترکیب اِلَہ (اللہ معبود ہے) سے زیادہ بلیغ ، مؤثر اور مفہوم کو زیادہ واضح کرنے والی ہے۔ اس لیے کہ مثبت ترکیب ، اللہ کی الوہیت کا اثبات تو کرتی ہے لیکن ماسوی اللہ کی الوہیت کی نفی نہیں کرتی۔ جبکہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی ترکیب ، الوہیت کو صرف اللہ کے لیے خاص اور دوسروں کی الوہیت کی نفی کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں بھی اللہ کی عبادت کا حکم ہے تو بالعموم ساتھ ہی غیروں کی عبادت کی نفی بھی ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿ وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ﴾ (النساء ۴/۳۶)

”اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ۔“

﴿ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا ﴾ (البقرة ۲/۲۵۶)

”تو جو شخص طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے، تو اس نے یقیناً مضبوط کڑا تھام لیا، جس کے لیے ٹوٹنا نہیں ہے۔“

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ﴾ (النحل ۱۶/۳۶)

”اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (جس نے یہی پیغام دیا) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو!“

طاغوت کیا ہے جس سے بچنے کا حکم ہے؟ اللہ کے سوا جس کی بھی عبادت یا اطاعت کی جائے، وہ طاغوت ہے۔ یہ ضروری ہے کہ اللہ کی عبادت و اطاعت کے ساتھ طاغوت کی عبادت سے انکار اور اجتناب کیا جائے اور حدیث میں بھی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَفَرَ بِمَا يُعْبَدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ، حَرَّمَ مَالُهُ وَدَمُهُ» (صحیح مسلم، ایمان، باب الأمر بقتال الناس...، ح: ۲۳)

”جس نے کہا، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی ہے، ان سب کا اس نے انکار کیا، تو اس کا مال اور جان محفوظ ہو گیا۔“

اور ہر پیغمبر نے بھی اپنی قوم کو یہی پیغام دیا:

﴿ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ ﴾ (الأعراف ۷/۵۹)

”اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔“

اور یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مشرکین مکہ سے کہا کہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا اقرار کر لو، تو انہوں نے کہا:

﴿ أَجْعَلُ الْأَلِهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ﴾ (ص: ۵/۳۸)

”کیا اس نے سارے معبودوں کو ایک ہی معبود بنا دیا ہے؟ یہ تو یقیناً بڑی ہی تعجب انگیز بات ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین نے یہ بات سمجھ لی تھی کہ اس کلمے کے اقرار کا مطلب ایک اللہ کی عبادت اور تمام بتوں کی عبادت کی نفی ہے۔ اور یہ بات ان کو پسند نہیں تھی۔ اسی لیے اس کے اقرار سے انہوں نے گریز کیا۔

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا تقاضا: بہر حال ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا معنی و مطلب کا تقاضا یہ ہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ ساتھ دوسرے تمام خود ساختہ معبودوں کی نفی کی جائے۔ چاہے وہ بتوں کی شکل میں ہوں یا شمس و قمر ہوں۔ اجار و اشجار ہوں یا قبوں اور مزاروں کی شکل میں ڈھلی ہوئی قبریں ہوں۔ اللہ واحد کی عبادت تب ہی متحقق ہوگی جب ان سب کی نفی ہوگی۔ اس نفی اور انکار و تردید ہی میں توحید کا اثبات ہے۔

اس سے ان لوگوں کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں، کسی کی تردید نہ کرو، صرف مثبت انداز میں اپنا موقف و مسلک اور نقطہ نظر بیان کر دو۔ کلمہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہمیں سبق دیتا ہے کہ صرف حق کا اثبات ہی کافی نہیں ہے، بلکہ باطل کی تردید و تغلیط بھی ضروری ہے، اس کے بغیر حق نمایاں اور نکھر کر سامنے نہیں آتا۔ جیسے سورج کی روشنی تب ہی واضح ہوتی ہے جب رات کی تاریکی اپنا دامن سمیٹ لیتی ہے۔ رات کی تاریکی میں سورج اپنی تابناکیاں بکھیرنے سے قاصر رہتا ہے۔

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا مقام و مرتبہ: اس کلمہ طیبہ کے مقام و مرتبہ کو واضح کرتے ہوئے امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”یہی کلمہ ہے جس کی وجہ سے آسمان و زمین قائم ہیں، تمام مخلوقات اس کی وجہ سے پیدا کی گئی، یہی پیغام دے کر اللہ نے اپنے تمام رسول بھیجے، اپنی کتابیں نازل اور اپنی شریعتیں مقرر فرمائیں۔ اسی کے لیے قیامت کے دن ترازو نصب ہوں گی اور رجسٹر (اعمال نامے) رکھے جائیں گے، اسی کلمہ کا نتیجہ جنت اور دوزخ کا وجود ہے، اسی کی وجہ سے مخلوق، مومن اور کافر دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے، یہی خلق و امر الہی

اور ثواب و عقاب کا منشا ہے، اسی کی بابت سوال اور حساب ہو گا اور اسی پر ثواب و عقاب ہو گا، اسی کی بنیاد پر قبلہ مقرر کیا گیا اور ملت کی تائیس عمل میں آئی، اسی کی خاطر میدان جہاد میں تلواریں میانوں سے باہر آئیں۔ یہی تمام بندوں پر اللہ کا حق ہے، یہی کلمہ اسلام اور کلید دار السلام (جنت) ہے، اسی کی بابت اول و آخر تمام انسانوں سے باز پرس ہو گی۔ اور کسی کو اللہ کے سامنے سے جنبش کرنے کی ہمت نہیں ہو گی جب تک دو باتوں کی باز پرس اس سے نہیں کر لی جائے گی۔

① تم عبادت کس کی کرتے رہے؟

② اور پیغمبروں کو تم نے کیا جواب دیا؟

پہلے سوال کا جواب ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا اقرار و اعتراف اور اس کے مطابق صرف اسی کی عبادت اور اطاعت و انقیاد ہے اور دوسرے سوال کا جواب ”مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ“ کی معرفت، اس کا اقرار اور اس کے مطابق عمل ہے۔ ”(زاد المعاد ۱/۳۴۲)“
یہی کلمہ کفر و اسلام کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔ جو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا اقرار و اعتراف کر لیتا ہے، وہ مسلمان اور جو اس کا اقرار نہیں کرتا وہ کافر ہے اور جو مسلمان ہے، اس کی جان و مال قابل احترام ہے، کسی دوسرے مسلمان کو اس کی جان یا مال پر دست درازی کرنے کی اجازت نہیں ہے اور جو کافر ہے اس کی جان و مال باطل ہے یعنی لڑائی کے موقع پر مسلمانوں کے لیے اس کی دونوں چیزیں حلال ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اسی کلمے کی خاطر انسانوں اور جنوں کو پیدا فرمایا۔ جیسے قرآن میں ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاریات ۵۱/۵۶)

”میں نے انسانوں اور جنوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔“

اور ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ اسی مقصد تخلیق کا سرنامہ اور عنوان ہے۔ تمام رسولوں کی بعثت کا مقصد اور غایت اولیٰ بھی یہی کلمہ طیبہ ہے۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا

فَاعْبُدُونِ﴾ (الانبیاء ۲۱/۲۵)

”اور ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھی بھیجا، اسے یہی وحی کی کہ معبود صرف میں ہی ہوں اس لئے تم میری ہی عبادت کرو۔“

اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ دین میں اور حیات انسانی میں اس کلمے کی کتنی اہمیت ہے۔ یہی بندوں کے ذمے پہلا فرض ہے، اس لئے کہ یہی وہ بنیاد ہے جس پر تمام اعمال کی عمارت اُستوار ہے۔

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی فضیلت : اس کلمے کی فضیلت حسب ذیل احادیث سے واضح ہے۔ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَفْضَلُ الذِّكْرِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَفْضَلُ الدُّعَاءِ: الْحَمْدُ لِلَّهِ» (جامع

الترمذی، الدعوات، باب ما جاء أن دعوة المسلم مستجابة، ح: ۳۳۸۳)

”افضل ذکر“ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہے اور افضل دعا ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

«خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ وَخَيْرُ مَا قُلْتُ أَنَا وَالنَّبِيُّونَ مِنْ قَبْلِي: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ

وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ» (جامع الترمذی، الدعوات، باب في دعاء يوم

عرفة، ح: ۳۵۸۵)

”بہترین دعا عرفے کے دن کی دعا ہے اور بہترین بات جو میں نے اور مجھ سے پہلے

پیغمبروں نے کہی وہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہے۔ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے

اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے بادشاہی اور حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

تیسری حدیث، جس کا تعلق قیامت کے دن کے حساب کتاب سے ہے، اس سے بھی اس کلمہ طیبہ کی فضیلت کا اثبات ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میرے ایک امتی کو برسرِ خلافت نجات عطا فرمائے گا، اللہ

ننانوے رجسٹراس کے سامنے کھول کر رکھ دے گا، ہر رجسٹر کا طول و عرض حدنگاہ تک ہو گا۔

پھر اللہ تعالیٰ کہے گا! کیا تو اس میں درج باتوں میں سے کسی کا انکار کرتا ہے؟ یا تیرے خیال

میں میرے لکھنے والے محافظین نے تجھ پر ظلم کیا ہے؟ وہ امتی کہے گا: نہیں، اے میرے رب! اللہ فرمائے گا: کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ وہ کہے گا: نہیں، اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیوں نہیں، ہمارے پاس تیری ایک نیکی ہے، بلاشبہ آج تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہو گا۔ پھر کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالا جائے گا جس میں یہ درج ہو گا۔ میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اللہ کہے گا: دونوں کا وزن کیا جاتا ہے، تو دیکھ! امتی کہے گا: اے میرے رب! اس ٹکڑے کی ان رجسٹروں کے سامنے کیا حیثیت ہے؟ اللہ فرمائے گا: تجھ پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ پس سارے رجسٹر ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں گے اور کلمہ شہادت والا کاغذ کا ٹکڑا دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا۔ لیکن قطعہ کاغذ والا پلڑا بھاری اور رجسٹروں والا پلڑا ہلکا ہو جائے گا۔ (اس لئے کہ) اللہ کے نام کے مقابلے میں کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی۔“ (ترمذی، الایمان، باب ماجاء فیمن یموت وهو یشہد ان لا اله الا الله،

حدیث: ۲۶۳۹)

ایک اور حدیث میں ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو دو باتوں کی وصیت فرمائی، ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ میں تجھے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا حکم دیتا ہوں۔ پھر اس کی درج ذیل فضیلت بیان فرمائی۔

«فَإِنَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعَ وَالْأَرْضَيْنِ السَّبْعَ لَوْ وُضِعَتْ فِي كِفَّةٍ وَوُضِعَتْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فِي كِفَّةٍ رَجَحَتْ بِهِنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَوْ أَنَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعَ وَالْأَرْضَيْنِ السَّبْعَ كُنَّ حَلَقَةً مُبْهَمَةً قَصَمْتُهُنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ» (مسند أحمد: ۱۷۰/۲ و سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ،

للآلبانی: ۲۵۹/۱، ح: ۱۳۴)

”ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اگر ایک پلڑے میں اور ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے، تو یہ دوسرا پلڑا اس کلمے کی وجہ سے بھاری ہو جائے گا اور اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک بند حلقہ ہوں، تو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ان کو توڑ دے

گا۔

مذکورہ احادیث سے کلمہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی فضیلت واضح ہے۔

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کے فائدہ مند ہونے کی شرائط : ہر عمل کے کچھ آداب و شرائط ہوتے ہیں، جب تک ان کو ملحوظ نہ رکھا جائے، وہ عمل نتیجہ خیز اور ثمر آور نہیں ہوتا۔ اسی طرح ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی بڑی فضیلت ہے، لیکن دنیا و آخرت میں اس کے فائدہ مند ہونے کے لیے بھی کچھ شرطیں ہیں، جب تک وہ شرطیں بھی پوری نہیں ہوں گی، اس کے وہ فضائل اور فوائد بھی حاصل نہیں ہوں گے جو قرآن و حدیث میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ شرائط حسب ذیل ہیں۔

① اس کا جو مطلب و معنی ہے اور اس کا جو مثبت اور منفی مفہوم ہے، پڑھنے والے کو اس کا علم ہو، تاکہ وہ اس کے تقاضوں پر عمل کر سکے۔

② پڑھنے والے کو یقین ہو، وہ شک میں مبتلا نہ ہو۔

③ وہ مخلص ہو، یعنی اس کو پڑھنے والا ہر کام اللہ ہی کی رضا کے لئے کرے، اس میں کسی اور کو شریک نہ کرے۔

④ اس کے اقرار و اعتراف میں وہ سچا اور اس کے تقاضوں کو سمجھنے والا ہو۔ منافقین کی طرح محض زبان سے اظہار ہو نہ جہالت کی وجہ سے اس کے تقاضوں سے انحراف ہو۔

ثمرات و برکات : جب ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کے سب قائلین اس کے معنی و مفہوم کو پورے طور پر سمجھتے ہوئے اس کے تقاضوں کو بروئے کار لائیں گے تو وہ سب ایک ہی معبود کے پرستار اور ایک ہی مطاع کے اطاعت گزار ہوں گے۔ عقیدہ و عمل کی یہ وحدانیت، توحید کا سب سے بڑا ثمرہ اور فائدہ ہے، اس سے سب مسلمان ایک کلمے پر مجتمع، تسبیح کے دانوں کی طرح ایک لڑی میں پروئے ہوئے اور دشمن کے مقابلے میں ایک دوسرے کے دست و بازو اور معاون ہوں گے۔ جیسے قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے۔

﴿وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ (آل عمران ۱۰۳)

”اللہ کی رسی کو اکٹھے ہو کر تھام لو‘ اور جدا جدا نہ ہو۔“

عقیدہ توحید کو اپنائے بغیر قرآن کے اس حکم پر عمل ممکن نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس عقیدے کو صحیح معنوں میں اپنایا تو وہ ایک ہو گئے‘ جب کہ پہلے وہ جدا جدا تھے‘ وہ بھائی بھائی بن گئے جب کہ پہلے وہ ایک دوسرے کے دشمن تھے‘ وہ ایک دوسرے پر رحم و کرم کرنے والے بن گئے‘ جب کہ پہلے وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس باہمی الفت و محبت کے بارے میں فرمایا:

﴿وَأَلْفَ بَيْتٍ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلَفَ بَيْنَهُمْ﴾ (الأنفال ۸/۶۳)

”اس اللہ ہی نے ان کے دلوں کے درمیان الفت ڈالی‘ اگر آپ روئے زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے‘ تب بھی ان کے دلوں کے درمیان الفت نہیں ڈال سکتے تھے‘ لیکن یہ اللہ ہی ہے جس نے ان کے درمیان الفت ڈال دی۔“

اللہ نے یہ الفت کس طرح ڈالی؟ اسی عقیدہ توحید کے ذریعے سے۔ اس نے انہیں اس عقیدے کو اپنانے کی توفیق دی اور یہ کلمہ توحید ان کی وحدت اور باہمی الفت کا ذریعہ بن گیا۔ قرآن کریم میں اللہ نے اپنے اس احسان اور حقیقت کا ذکر دوسرے مقام پر اس طرح فرمایا ہے:

﴿وَأَذْكُرُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا﴾ (آل عمران ۱۰۳/۳)

”یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہوئی جب تم باہم دشمن تھے۔ تو اس نے تمہارے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی پس تم اس کے احسان سے بھائی بھائی ہو گئے۔“

اللہ نے ایک اور مقام پر ان کی باہمی محبت اور رحم دلی کی گواہی یوں دی۔

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح ۴۸/۲۹)

”محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں‘ ان کے ساتھی کافروں پر سخت اور آپس میں ایک

دوسرے پر رحم کرنے والے ہیں۔“

آج مسلمانوں کے درمیان باہمی الفت و محبت کیوں نہیں؟ اس کی سب سے بڑی وجہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کے مقتضیات سے انحراف اور وحدت عقیدہ کا فقدان ہے۔ حالانکہ اللہ نے اس تفریق کی سختی سے مذمت بیان فرمائی تھی۔ اللہ نے اپنے پیغمبر سے خطاب کر کے فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ﴾ (الأنعام ۶/۱۵۹)

”بے شک وہ لوگ جنہوں نے اپنا دین الگ الگ بنالیا اور گروہ گروہ ہو گئے، آپ کا کسی

معاملے میں ان سے کوئی تعلق نہیں۔“

ایسے تفریق بازوں کے لئے اللہ نے فرمایا:

﴿فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾

(المؤمنون ۲۳/۵۳)

”انہوں نے اپنے معاملے (دین) کو اپنے درمیان ٹکڑے ٹکڑے کر لیا، ہر گروہ اپنے

اپنے مزعومات میں خوش ہے۔“

یہ تفریق دین یا تفریق کلمہ، اللہ واحد کی ربوبیت والوہیت سے انحراف ہی کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ چنانچہ اس آیت سے پہلے اللہ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَزِدْ لَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ﴾ (المؤمنون ۲۳/۵۲)

”بلاشبہ یہ امت، ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں، پس مجھ ہی سے ڈرو۔“

معلوم ہوا کہ وحدت امت کی بنیاد وحدت عقیدہ یعنی رب واحد ہی سے ڈرنا اور اسی کی عبادت و اطاعت کرنا ہے۔ جب سب ایک ہی رب کے پجاری اور ایک ہی رب کے فرماں بردار ہوں گے تو عقیدے کی اس وحدت سے زندگی کے ہر شعبے میں وحدت کی جلوہ گری ہوگی۔ ان کی عبادت کا طریقہ ایک ہوگا، ان کا اخلاق و کردار ایک جیسا ہوگا، ان کے حلال و حرام کے پیمانے ایک ہوں گے، ان کا دشمن ایک ہوگا یعنی صرف وہ جو اللہ واحد کی عبادت و اطاعت سے انکار کرنے والا اور دوسرے معبودوں کا پرستار ہوگا۔ اس طرح اس عقیدہ توحید سے انسانی معاشرہ امن و اخوت کی عطربیز ہواؤں سے معمور اور باہم ظلم وعدوان سے

مامون (پاک) ہو گا۔ اس باہم اتفاق و اتحاد ہی سے دشمن بھی لرزاں و ترساں ہو گا اور یہ اجتماعی قوت ہی جس کے ساتھ اللہ کی تائید و نصرت بھی ہو، دنیا میں عزت و سرفرازی کی اور اختیار و اقتدار سے بہرہ ور ہونے کی بنیاد ہے۔ جیسے اللہ نے فرمایا:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ
كَمَا أَسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ
لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا﴾

(النور ۲۴/۵۵)

”اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائیں اور عمل صالح اختیار کریں وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو ضرور زمین میں جانشینی (خلافت) عطا کرے گا جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو جانشینی عطا کی تھی اور ان کے اس دین (اسلام) کو جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے ان کے لیے غلبہ عطا فرمائے گا اور ان کو ان کے خوف کے بعد بدلے میں امن عطا فرمائے گا وہ میری ہی عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ اسلام کے قرونِ اولیٰ میں پورا فرمایا۔ کیونکہ اس دور کے مسلمانوں نے اس شرط کو پورا کر دکھایا، انہوں نے ایمان اور عمل صالح کی زندگی بھی اختیار کی اور صرف اللہ واحد کی عبادت کا اہتمام بھی کیا، شرک کے تمام مظاہر کو انہوں نے اکھاڑ پھینکا۔ اللہ نے ان کو اس کے بدلے میں دنیا و آخرت کی سعادتوں اور کامیابیوں سے ہمکنار کیا۔

آج مسلمان اپنے عہدِ رفتہ کی سی عظمت و کامرانی حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو اس کے لیے وہی نسخہٴ کیمیا ہے جو صحابہ و تابعین نے استعمال کیا تھا۔ ایمان اور عمل والی زندگی اور بے غبار عقیدہ توحید اور اس کے مقصدیات پر عمل۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق سے نوازے۔

محض زبان سے کلمہ پڑھنا کافی نہیں، اس کے تقاضوں پر عمل کرنا بھی ضروری ہے: گزشتہ مباحث سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ محض زبان سے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہہ دینا کوئی

معنی نہیں رکھتا۔ جب تک کہنے والا اس کے معنی و مفہوم کو نہیں سمجھتا اور اس کے تقاضوں کو بروئے کار نہیں لاتا، اس وقت تک اس کا فائدہ دنیا میں حاصل ہوتا ہے نہ آخرت ہی میں اس کی کوئی امید کی جاسکتی ہے۔

زبان سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

لیکن بعض لوگوں کو بعض احادیث کے ظاہری الفاظ سے یہ مغالطہ لگتا ہے کہ زبان سے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھ لینا ہی کافی ہے، اس کے مقتضیات پر عمل ضروری نہیں۔ جیسے پہلے ایک حدیث گزری ہے کہ ”ایک شخص کی حد نگاہ تک اس کی برائیوں کے رجسٹر ہی رجسٹر ہوں گے اور اس کے مقابلے میں ایک پرچی ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی گواہی کی ہوگی، تو یہ پرچی تمام رجسٹروں پر بھاری رہے گی۔“ اسی طرح بعض روایات میں ہے کہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھنے والے پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔“

یہ روایات اپنی جگہ صحیح ہیں، لیکن یہ روایات صرف ان لوگوں کے لیے ہیں جو خلوص دل سے کفر و شرک سے تائب ہو جائیں لیکن توبہ کے ساتھ ہی انہیں موت آجائے، عمل کا انہیں موقع ہی نہ ملے۔ مگر چونکہ ان کی توبہ خالص تھی، اللہ کی وحدانیت کو انہوں نے دل کی گہرائی سے قبول کر لیا تھا، اللہ کی محبت سے ان کا دل لبریز اور کفر و شرک اور اللہ کی نافرمانیوں سے ان کا دل سخت متنفر ہو گیا تھا، تو ان کا یہ کمال یقین و اخلاص، محبت الہی اور ترک معصیت کا عزم بالجزم، عمل کے قائم مقام ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ انہیں اس کلمہ طیبہ کی بدولت جنت میں داخل فرما دے گا۔ تاہم جن کو یہ کلمہ پڑھنے کے بعد یہ موقع ملے گا کہ وہ اپنے عمل کے ذریعے سے اس کی سچائی کو واضح اور ثابت کریں، لیکن وہ اس کے مقتضیات پر عمل کر کے اپنی سچائی کو ثابت کرنے میں ناکام رہیں گے، تو ایسے لوگوں کا محض زبان سے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہہ دینا عند اللہ کافی نہیں ہو گا۔ چنانچہ دوسری روایات سے یہ بات بھی ثابت ہے۔ جیسے حدیث میں ہے کہ ایک مرحلے پر جہنم سے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہنے والوں کو نکالا جائے گا۔ اسی طرح یہ بھی حدیث میں ہے کہ ”ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ

ان کی سجدے والی جگہوں پر جنم کی آگ حرام فرمادے گا۔ گویا ان کا سارا جسم جہنم میں جلے اور سڑے گا لیکن اعضائے سجود محفوظ رہیں گے۔

اس طرح دونوں قسم کی روایات میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے اور ان کے مابین منافات نہیں رہتی اور عقل بھی مذکورہ دونوں قسم کے افراد کے درمیان فرق کو تسلیم کرتی ہے۔ گویا عقل اور نقل دونوں اعتبار سے یہ موقف صحیح ہے۔ جس کی صراحت مذکورہ سطور میں کی گئی ہے۔

ایک اور شبہ اور اس کا ازالہ : ایک شبہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے ایک لشکر جہاد کے لیے بھیجا وہاں فتح یابی کے بعد ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ شکست خوردہ کافر قبیلے کا ایک شخص ان کو ملا، اس نے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھا، لیکن حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ یہ شخص جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے، چنانچہ انہوں نے اس کا اعتبار نہیں کیا اور اسے قتل کر دیا۔ جب یہ بات نبی ﷺ تک پہنچی، تو آپ نے سخت ناراضی کا اظہار فرمایا اور اسامہ سے فرمایا: «أَفْتَلَنَّهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ» ”تو نے اسے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھنے کے بعد قتل کر دیا؟“ حضرت اسامہ نے کہا، اللہ کے رسول! اس نے جان بچانے کے لیے ہی کلمہ پڑھا تھا۔ آپ نے فرمایا: «أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتَّى تَعْلَمَ أَقَالَهَا أَمْ لَا» ”تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا تاکہ تجھے معلوم ہو جاتا کہ اس نے (دلی یقین کے ساتھ) کلمہ پڑھا ہے یا نہیں؟“ آپ بار بار یہی الفاظ دہراتے رہے۔ (صحیح مسلم، الایمان، باب تحریم قتل الکافر بعد قوله لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، ح: ۹۶)

اس کے پیش کرنے سے ان کا مقصد یہ کہنا ہوتا ہے کہ زبانی اقرار کی بھی بڑی اہمیت ہے اور جو شخص زبان سے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھتا ہو، چاہے وہ اس کے مقتضیات پر عمل کرتا ہو یا نہ کرتا ہو، اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاسکتی، نہ اس کی تکفیر ہی کی جا سکتی ہے۔ لیکن اس واقعے اور حدیث سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص اسلام کا اظہار کرتا اور کلمہ پڑھتا ہے تو اس کے خلاف فوری کارروائی نہ کی جائے۔ اس کلمے کے پڑھنے سے اس کی جان اور مال محفوظ ہو گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اس

طرح کا اظہار کرنے والے اپنے عمل سے مسلسل اس کے خلاف ثبوت پیش کر رہے ہوں، تب بھی ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ یا ان کا عقیدہ و عمل ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کے معنی و مفہوم اور متفصیلات کے خلاف ہو، تب بھی ان کی تکفیر جائز نہ ہو۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک طرف تو یہ فرمایا کہ ”کیا تو نے اسے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہنے کے بعد قتل کر دیا؟“ اسی طرح آپ نے یہ بھی فرمایا:

«أُمِرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ» (صحیح البخاری،

الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح: ۷۲۸۵)

”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگ جب تک ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا اقرار نہ کریں، میں ان سے قتال کروں۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا اقرار کر لینے کے بعد کوئی کارروائی کرنی جائز نہیں ہے۔ لیکن دوسری طرف آپ نے خارجیوں کی بابت فرمایا کہ یہ ایک گروہ پیدا ہو گا، جو قرآن اور نماز پڑھے گا، ایمان کا اظہار کرے گا، لیکن یہ تینوں چیزیں ان کے گلوں سے نیچے نہیں اتریں گی، وہ بڑے عبادت گزار ہوں گے، ان کی نمازوں، روزوں اور قراءت کے مقابلے میں تمہیں اپنی نمازیں، تلاوت وغیرہ حقیر معلوم ہوں گی۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے ان کی بابت فرمایا:

«فَأَيْنَمَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ» (سنن ابی داود، السنة، باب في قتال الخوارج،

ح: ۴۷۶۷)

”جہاں بھی تم انہیں ملو، انہیں قتل کر دو۔“

آپ نے یہ بھی فرمایا:

«لَئِنْ أَنَا وَاللَّهُ أَذْرَكْتَهُمْ لَا قَتَلْتَهُمْ قَتَلَ عَادٍ» (سنن ابی داود، السنة، باب في

قتال الخوارج، ح: ۴۷۶۴)

”اللہ کی قسم! اگر میں نے انہیں پالیا تو میں انہیں قوم عاد کی طرح قتل کر دوں گا۔“ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بعد میں اس پر عمل کیا اور ان سے قتال کیا۔

یہاں دیکھ لیجئے! خوارج کو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہنے کا کوئی فائدہ حاصل ہوا اور نہ کثرتِ عبادت کا۔ کیوں؟ اسی لیے کہ انہوں نے زبان سے تو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہہ دیا، لیکن ان کا عمل اس کے خلاف تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل سے بھی اس نکتے کی وضاحت ہوتی ہے۔ نبی ﷺ کی وفات کے بعد کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، باقی اسلام پر وہ عمل کر رہے تھے۔ لیکن اس کے باوجود خلیفہ رسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کرنے کے عزم کا اظہار فرمایا، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا اور کہا آپ ان سے قتال کریں گے جو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا اقرار کرتے ہیں؟ جبکہ ایسے لوگوں کے جان و مال کے تحفظ کی ضمانت رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«وَاللَّهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللَّهُ لَوْ مَنَعُونِي عَنَّا كَانُوا يُؤَدُّونَهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنَعِهَا»

”اللہ کی قسم! میں ان سے ضرور قتال کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ (جیسے نماز اللہ کا حق ہے اسی طرح) زکوٰۃ مال کا حق ہے (جو اللہ نے بندوں کے مالوں میں رکھا ہے) اللہ کی قسم! اگر وہ ایک بکری کا بچہ بھی مجھے دینے سے انکار کریں گے جو وہ رسول اللہ ﷺ کو (زکوٰۃ میں) ادا کرتے تھے، تو میں اس کے بھی روک لینے پر ان سے لڑوں گا۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«فَوَاللَّهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَأَيْتُ أَنْ قَدْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ» (صحیح البخاری، استتابة المرتدین، باب قتل من ابى قبول

الفرائض ، . . . ، ح : ۶۹۲۴)

”اللہ کی قسم! (جب میں نے ابوبکر کے موقف پر غور کیا تو) میں نے یہی دیکھا کہ اللہ نے ان لوگوں سے قتال کے لیے ابوبکر کا سینہ کھول دیا ہے اور میں نے بھی جان لیا کہ یہی

بات حق ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ پہلے صحابہ کرام نے یہی سمجھا کہ جو زبان سے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ کا اقرار کرتا ہے، تو مجرد اقرار ہی اس بات کے لیے کافی ہے کہ اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے، اس لیے انہوں نے مانعین زکوٰۃ سے قتال میں توقف کیا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، نہیں۔ محض زبان سے اقرار کر لینا کافی نہیں ہے بلکہ اس کلمے کے حقوق اور اس کے مقتضیات کی ادائیگی بھی ضروری ہے، جب تک ایسا نہیں ہو گا، مجرد اقرار سے کچھ نہیں ہو گا اور وہ قتال میں مانع نہیں۔

ہمارے دور میں اس کی مثال مرزائی حضرات ہیں۔ یہ لوگ بھی ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ“ کا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کا عقیدہ و عمل اس کلمے کے مقتضیات کے خلاف ہے۔ اس لیے علمائے امت نے ان کے اس اقرار کو کوئی اہمیت نہیں دی اور انہیں بالاتفاق کافرو مرتد اور دائرۃ اسلام سے خارج قرار دیا۔

بالکل اسی طرح جو شخص ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ“ کا اقرار تو کرتا ہے، لیکن اس کا عقیدہ و عمل اس کے مقتضیات کے خلاف یعنی مشرکانہ ہے یا اس کی محبت و عقیدت اور اطاعت کا محور اللہ کے رسول کے علاوہ کوئی اور ہے، تو وہ مسلمان کس طرح رہ سکتا ہے؟ حضرت حسن بصری سے کہا گیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں، جس نے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھ لیا، وہ جنتی ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَأَدَّى حَقَّهَا وَفَرَضَهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ»

”جس نے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہا، پھر اس نے اس کا حق اور فرض بھی ادا کیا، تو وہ جنتی ہے۔“

حضرت وہب بن منبہ (تلمیذ حضرت ابو ہریرہ) سے بھی کسی نے سوال کیا:

«أَلَيْسَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُفْتَاخُ الْجَنَّةِ»

”کیا ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ جنت کی چابی نہیں ہے؟“

تو انہوں نے فرمایا:

«بَلَىٰ، وَلَكِنْ مَّا مِنْ مَّفْتَحٍ إِلَّا لَهُ أَسْنَانٌ فَإِنْ جِئْتَ بِمِفْتَاحٍ لَهُ
أَسْنَانٌ فَتُحَ لَكَ وَإِلَّا لَمْ يُفْتَحْ لَكَ»

”کیوں نہیں۔ (یقیناً یہ جنت کی چابی ہے) لیکن کوئی چابی دندانوں کے بغیر نہیں ہوتی۔
اگر تو دندانوں والی چابی لے کر آئے گا تو تیرے لیے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا“
بصورت دیگر یہ دروازہ تیرے لیے نہیں کھولا جائے گا۔“ (محاضرات فی العقیدۃ

والدعوة للشيخ صالح بن فوزان)

یہ دندانے کیا ہیں؟ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کے تقاضوں پر پورا عمل۔ اور اگر عمل اس کے
تقاضوں کے خلاف ہوا تو اس کی مثال دندانوں کے بغیر چابی کی سی ہے جس سے تالا نہیں
کھلتا۔ جنت کا تالا بھی محض زبانی کلمہ کی چابی سے نہیں کھلے گا جب تک اس کے تقاضوں
کے مطابق عمل بھی نہیں ہوگا۔



باب : دوم

توحید کی حقیقت، قسمیں اور تقاضے

یہ بات تو متفق اور واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور عرش پر مستوی ہے، اس بات پر سب مسلمانوں کا ایمان ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ ایمان باللہ کے تقاضوں سے مسلمانوں کی اکثریت نا آشنا ہے، اس لئے وہ توحید کی حقیقت، اس کی قسموں اور تقاضوں سے غافل اور مشرکانہ عقیدوں میں مبتلا ہے۔ بنابرین ضروری ہے کہ پہلے اللہ پر ایمان رکھنے کا مطلب اور اس کے تقاضوں کو سمجھا جائے، تاکہ توحید کی صحیح حقیقت سمجھ میں آجائے۔

اللہ کے ماننے کا مطلب یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ ہر چیز کا رب اور مالک ہے، وہی ہر چیز کا خالق اور اپنی مخلوق کا مدبر و منتظم ہے۔ وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ نماز، روزہ، دعا و استغاثہ، خوف و رجاء اور ذلت و عاجزی، سب اسی کا حق ہے نہ کسی کے لئے نماز پڑھی جائے، نہ روزہ رکھا جائے۔ کسی سے دعا و فریاد کی جائے، نہ مافوق الاسباب طریقے سے کسی کا خوف رکھا جائے، نہ کوئی امید اس سے وابستہ کی جائے۔ اسی کے سامنے ذلت و عاجزی کا اظہار کیا جائے، اس کے علاوہ کوئی ایسی ذات نہیں کہ جس کے سامنے عبودیت و بندگی والی ذلت و عاجزی کا مظاہرہ کیا جائے۔ وہ تمام صفات کمال سے متصف اور ہر عیب و نقص سے پاک ہے۔

اس اعتبار سے اللہ کے ماننے میں توحید کی تینوں قسمیں آ جاتی ہیں۔ توحید ربوبیت، توحید الوہیت اور توحید اسماء و صفات۔

اس کی مختصر تفصیل آئندہ صفحات میں درج ہے۔

توحید ربوبیت : اس کا مطلب، اس عقیدے پر یقین رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا رب

ہے، اس کے سوا کوئی رب نہیں۔ رب کے لغوی معنی ہیں، مالک اور مدبر (انتظام کرنے والا اور ضرورت کی ہر چیز مہیا کرنے والا) وہ اپنی مخلوقات کا مربی ہے، کا مطلب ہو گا، ان کو پیدا کرنے والا بھی وہی اکیلا ہے اور مالک بھی وہی ہے اور ان کے تمام معاملات کی تدبیر بھی صرف اسی کے ہاتھ میں ہے۔ پس توحید ربوبیت کے معنی ہوں گے کہ یہ اقرار کیا جائے کہ وہی مخلوق کا خالق و مالک ہے، وہی ان کو زندگی عطا کرنے والا اور مارنے والا ہے، وہی ان کا نافع اور ضار ہے، اضطرار اور مصیبت کے وقت وہی دعاؤں کا سننے والا اور فریاد رسی کرنے والا ہے، وہی دینے اور روکنے والا ہے، ساری کائنات اسی کی مخلوق ہے اور اسی کا حکم اس میں نافذ ہے:

﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ (الأعراف ۷/۵۴)

”خبردار! پیدائش بھی اسی کا کام ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے، بڑا بابرکت ہے وہ اللہ جو رب ہے تمام جہانوں کا۔“

قرآن کریم میں مذکورہ تمام باتوں کو بڑی وضاحت اور تکرار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، کیونکہ یہ توحید ربوبیت ہی توحید کی دوسری قسموں کے لئے بھی بنیاد و اساس ہے۔ جب یہ مسلم ہے کہ اللہ ہی کائنات کا خالق و مالک ہے اور کائنات کا نظم و تدبیر بھی تمام تر اسی کے اختیار میں ہے، تو اس سے از خود یہ پہلو ثابت ہو جاتا ہے کہ عبادت کا مستحق بھی وہی ہے، خشوع خضوع کا اظہار بھی اسی کے سامنے کیا جانا چاہئے، وہی حمد و شکر کا سزاوار اور دعا و استغاثہ کے لائق ہے۔ اس لئے کہ یہ سب باتیں اسی کے لئے زیبا ہیں جو خلق و امر کا مالک ہے۔ بہ الفاظ دیگر یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ خالق و مالک اور مدبر و متصرف ہی اس بات کے لائق ہے کہ وہ جلال و جمال اور کمال کی صفات سے متصف ہو، اس لئے کہ رب العالمین وہی ہو سکتا ہے جو ان صفات کا مالک ہو، ورنہ جو ہمیشہ زندہ رہنے والا نہ ہو، سمیع و بصیر نہ ہو، ہر طرح کی قدرت سے بہرہ ور نہ ہو، جو چاہے اسے کرنے کا اختیار رکھنے والا نہ ہو اور اپنے اقوال و افعال میں حکیم نہ ہو، تو وہ رب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان صفات سے محروم رب اپنی مخلوقات کا علم نہیں رکھ سکتا اور جو اپنی مخلوقات سے باخبر نہ ہو، وہ ان کی حفاظت

کا فریضہ کس طرح انجام دے سکتا ہے؟ اور جو اپنی مخلوقات کی حفاظت نہ کر سکتا ہو، وہ رب کیوں کر ہو سکتا ہے؟ بنا بریں جو لوگ اس بات کا تو اقرار کریں کہ کائنات کا خالق اور رب اللہ ہی ہے (یعنی توحید ربوبیت کو تو مانیں) لیکن عبادت میں وہ اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کریں (یعنی توحید الوہیت کو تسلیم نہ کریں) اسی طرح وہ اللہ کی صفات کی نفی کریں، یا ان کو مخلوقات کی صفات کے ساتھ تشبیہ دیں یا ان کی دور از کار توجیہ اور فاسد تاویل کریں (یعنی توحید اسماء و صفات کا انکار کریں) تو اس کا واضح مطلب ہے کہ انہوں نے اس توحید کو نہیں مانا جو انہیں دائرہ کفر و شرک سے نکال کر دائرہ ایمان میں لے آئے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ مشرکین مکہ اقرار کرتے تھے کہ ہر چیز کا خالق، اللہ ہے اس کے باوجود اللہ نے ان کو مشرک کہا، کیوں؟ اسی لئے کہ انہوں نے یہ تو مانا کہ رب ایک ہی ہے، لیکن یہ نہیں مانا کہ الہ (بھی) ایک ہی ہے اور اس وجہ سے انہوں نے غیروں کو بھی عبادت میں شریک کیا۔ اسی طرح انہوں نے اسماء و صفات باری تعالیٰ میں بھی اللہ کو واحد نہیں مانا اور اس کی بعض صفات کا انکار کیا یا ان جیسی صفات مخلوق میں بھی تسلیم کیں۔ اسی لئے اللہ نے ان کی بابت فرمایا:

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ﴾ (یوسف ۱۰۶/۱۲)

”اللہ کو ماننے والے اکثر مشرک ہیں۔“

یعنی انہوں نے یہ تو مانا کہ ان کا خالق، رازق اور زندگی اور موت دینے والا اللہ ہے، لیکن عبادت وہ غیروں کی بھی کرتے رہے، یوں وہ اپنے ناقص ایمان کی وجہ سے ایمان باللہ کے باوجود مشرک ہی رہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ توحید ربوبیت کے ساتھ، توحید الوہیت اور توحید اسماء و صفات پر بھی ایمان رکھا جائے۔ اس کے بغیر کوئی شخص بھی مومن اور مسلمان نہیں ہو سکتا۔

مشرکین اور توحید ربوبیت: گزشتہ تفصیل سے توحید ربوبیت کا مفہوم تو واضح ہو چکا ہے کہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ توحید کی یہ قسم تمام مشرکین بھی مانتے ہیں اور مانتے

رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَيْن سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولَنَّ اللَّهُ﴾ (الزخرف ۴۳/۸۷)

”اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے ان کو پیدا کیا؟ تو یقیناً وہ یہی کہیں گے، اللہ نے۔“

﴿قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَرَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَمِيتِ وَيُخْرِجُ الْمَمِيتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدِيرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ﴾ (یونس ۱۰/۳۱)

”اور ان سے پوچھئے تمہیں آسمان و زمین سے روزی کون دیتا ہے؟ تمہارے کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے کون نکالتا ہے؟ اور معاملے کی تدبیر کون کر رہا ہے؟ تو وہ یہی جواب دیں گے، اللہ۔“

یہ ہے توحید ربوبیت، لیکن صرف یہ اقرار کر لینے والا کہ ہر چیز کا خالق، مالک، رازق اور مدبر صرف اللہ ہے، ضروری نہیں کہ وہ توحید الوہیت اور توحید اسماء و صفات کو بھی مانتا ہو۔ اس لئے کہ انسانوں کی اکثریت اللہ کی ربوبیت کو تسلیم کرتی ہے، لیکن اس کے باوجود وہ اس کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کرتی ہے۔

(۲) توحید الوہیت : اس کا مطلب ہے، یہ عقیدہ رکھا جائے کہ معبود بھی صرف وہی اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ عبادت کی تمام قسمیں صرف اسی کے ساتھ خاص ہیں۔ عبادت کے لغوی معنی ہیں، سرغلندگی، ذلت و عاجزی اور خشوع و خضوع۔ اور بعض علماء نے معنی کئے ہیں، کمال خضوع کے ساتھ کمال محبت۔ اس اعتبار سے توحید الوہیت کے مفہوم میں یہ بات شامل ہوگی کہ عبادت میں اخلاص کامل ہو، یعنی اس کا کوئی حصہ بھی غیر اللہ کے لئے نہ ہو۔

پس ایک مومن صرف اللہ کی عبادت کرتا ہے اس کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہیں کرتا، اس کی محبت بھی صرف اللہ کے ساتھ ہوتی ہے، اس کے دل میں خوف بھی صرف اللہ کا ہوتا ہے، اس کی امیدیں بھی اسی سے وابستہ ہوتی ہیں، اس کا اعتماد و توکل بھی اسی پر

ہوتا ہے، دعا و فریاد بھی وہ اسی سے کرتا ہے اور اطاعت و فرماں برداری بھی صرف اسی کی۔ نذر و نیاز بھی اسی کے نام کی دیتا ہے کسی اور کے نام پر نہیں، اپنی جبین نیاز بھی اسی کے آگے جھکاتا اور عاجزی و ذلت کا اظہار بھی اسی کے سامنے کرتا ہے۔ غرض عبادت کی جتنی بھی شکلیں اور صورتیں ہیں، وہ صرف اور صرف اللہ واحد کے لئے بجالاتا ہے، اس میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

توحید کی یہ قسم، توحید کی دوسری قسموں کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے، اس میں توحید ربوبیت بھی آجاتی ہے اور توحید اسماء و صفات بھی، لیکن صرف توحید ربوبیت میں توحید کی دوسری قسمیں نہیں آتیں۔ اس لئے کہ اللہ کو واحد رب ماننے والا، ضروری نہیں کہ وہ الوہیت میں بھی اس کو واحد مانے، وہ اللہ کو رب تو مانتا ہے، لیکن اللہ کی عبادت و اطاعت نہیں کرتا، یا صرف اسی ایک کی عبادت و اطاعت نہیں کرتا۔ اسی طرح توحید اسماء و صفات بھی، توحید کی دوسری انواع کو اپنے اندر شامل نہیں کرتی۔ لیکن توحید الوہیت کو ماننے والا جو یہ اقرار کرتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی مستحق عبادت ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ رب العالمین بھی وہی ہے، علاوہ ازیں اس کے اسماء حسنی اور صفات کاملہ ہیں اس لئے کہ اخلاص فی العبادت اسی کے لئے ہو سکتا ہے جو رب ہو، نہ کہ کسی اور کے لئے بھی۔ اسی طرح وہ ہر عیب اور نقص سے پاک بھی ہو، نہ کہ اس کے لئے بھی جس میں نقص ہو۔ اس کی عبادت کس طرح جائز ہو سکتی ہے جو کسی چیز کا خالق ہو نہ مدبّر، بلکہ مخلوق ہو اور مدبّر، اسی طرح وہ بھی معبود نہیں ہو سکتا جو سوتا یا بیمار ہوتا اور موت سے ہمکنار ہوتا ہے، کیونکہ یہ سب صفات نقص ہیں، اور اللہ رب العالمین ان تمام نقائص سے پاک ہے۔

مسلمانوں کا کلمہ، توحید و شہادت لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) توحید کی تینوں قسموں کو حاوی ہے اسی لئے اس کلمے کو ادا کرنے والا مسلمان قرار پاتا ہے، ورنہ توحید ربوبیت تو مشرک بھی مانتے ہیں، مگر وہ مسلمان نہیں۔ دائرہ اسلام میں وہی داخل سمجھا جائے گا، جو توحید کی تینوں قسموں پر ایمان رکھے گا، کیونکہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ میں تینوں قسمیں شامل

ہیں۔ اسی توحید الوہیت کے لئے اللہ نے انسانوں اور جنوں کو پیدا فرمایا ہے۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاریات ۵۱/۵۶)

”میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری ہی عبادت کریں۔“

تمام انبیاء کی بعثت بھی اسی توحید الوہیت ہی کے لئے ہوئی۔

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾ (النحل ۱۶/۳۶)

”ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (اس نے یہی پیغام دیا) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔“

”طاغوت“ کیا ہے؟ ہر وہ چیز جس کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی جائے، طاغوت ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ (الانبیاء ۲۱/۲۵)

”ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجا، اسے یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم صرف میری ہی عبادت کرو۔“

اور یہی کلمہ، اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک رکن بلکہ رکن اول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ حضرت نوح، ہود، صالح اور شعیب علیہم السلام، ان تمام رسولوں نے اپنی اپنی قوم کو یہی دعوت دی:

﴿اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ﴾ (الأعراف ۷/۶۵، ہود ۱۱/۶۱، المؤمنون ۲۳/۲۳)

”اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔“

صرف ایک اللہ کی عبادت کے اقرار سے دوسرے معبودوں کی عبادت کی از خود نفی ہو جاتی ہے اور ایک الہ کے عقیدے سے دوسرے تمام معبود باطل قرار پاتے ہیں۔ یہی وجہ

ہے کہ جب نبی ﷺ نے مشرکین مکہ کو ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ (اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں) کی دعوت دی، تو انہوں نے کہا:

﴿أَجْعَلِ الْآلِهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ مُّجْتَبٍ﴾ (ص: ۳۸/۵)

”کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود بنا دیا ہے؟ یہ تو یقیناً نہایت تعجب والی بات ہے۔“

اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ جس نے کلمہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا اقرار کر لیا، تو اس کا مطلب ہر ماسوی اللہ کی عبادت کی نفی اور تمام معبودوں کا بطلان ہے، کیونکہ الہ کے معنی ہی معبود کے ہیں۔ یعنی وہ ذات جس کی عبادت کی جائے اور عبادت کیا ہے؟ عبادت کا مطلب ہے، صرف اسی ذات کی رضا کے لیے اس کے سامنے عجز و تذلل کا اظہار کرتے ہوئے ہر وہ کام کیا جائے جسے وہ پسند کرتا ہے۔

مشرکین مکہ کو یہی پسند نہیں تھا کہ وہ صرف آسمان والے اللہ کو، جسے وہ رب تو تسلیم کرتے تھے، اپنے تمام کاموں کا مقصود و منتہا بھی صرف اسی کو مان لیں، نماز پڑھیں تو اسی کے لیے پڑھیں، روزے رکھیں تو صرف اسی کے لیے رکھیں، نذر و نیاز دیں تو صرف اسی کے نام کی دیں، استغاثہ و استمداد کریں تو صرف اسی سے کریں اور ان تمام معبودوں کو نظر انداز کر دیں جن کو وہ اللہ کے ساتھ ساتھ مذکورہ کاموں میں شریک رکھتے تھے۔ توحید الوہیت کے اس تقاضے کو وہ سمجھتے تھے جسے آج کا مسلمان نہیں سمجھتا، اس لیے ضروری ہے کہ توحید الوہیت کے تقاضوں اور لوازم کو بھی سمجھا جائے۔

توحید الوہیت کے لوازم: توحید الوہیت کے تسلیم کرنے پر کن کن چیزوں پر اعتقاد و یقین رکھنا ضروری ہے۔ اس کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے۔

① اللہ کے ساتھ خالص محبت رکھی جائے۔ اس کا مطلب ہے، کسی کو اللہ کا شریک بنایا جائے نہ اس کی محبت پر کسی اور کی محبت غالب آئے۔ کیونکہ انسان کی فطرت میں کئی چیزوں کی محبت رکھی گئی ہے۔ اسے ماں باپ سے، بیوی بچوں سے، بہن بھائیوں سے، احباب و اقارب سے، دنیا کے مال و اسباب سے حتیٰ کہ اپنے وطن اور مولود و مسکن سے بھی

محبت ہوتی ہے، یہ تمام محبتیں جائز ہیں، بشرطیکہ اپنی فطری حدود میں رہیں اور دائرہ شریعت سے تجاوز نہ کریں۔ علاوہ ازیں جب محبتوں میں سے کسی محبت کا اللہ کی محبت سے تصادم ہو جائے، تو وہاں اللہ کی محبت کے تقاضوں کو ترجیح دی جائے۔ نہ کہ انسان اللہ کی محبت کو نظر انداز کر کے مذکورہ محبتوں کا اسیر ہو جائے۔ اہل ایمان کی صفت ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ (البقرة ۱۶۵/۲)

”ان کو سب سے زیادہ محبت اللہ کے ساتھ ہوتی ہے۔“

اللہ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت کا مطلب یہی ہے کہ وہ اللہ کے حکم اور رضاء کو دنیا کی ہر چیز پر ترجیح دیتے ہیں، اس کی محبت پر سب محبتوں کو قربان کر دیتے ہیں۔
 ② دعا و فریاد اللہ ہی سے کی جائے، اسی پر بھروسہ کیا جائے اور جن چیزوں پر صرف اللہ ہی قادر ہے، ان کی امید صرف اللہ ہی سے رکھی جائے، ان میں کسی اور سے امید وابستہ نہ کی جائے۔

③ خوف بھی صرف اللہ ہی کا ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ مخلوقات میں سے کوئی بھی اپنی مشیت اور قدرت سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ہاں اگر اللہ چاہے تو وہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کا سبب بنا سکتا ہے۔ اس لئے ظاہری اسباب کے بغیر کسی سے خوف کھانا یا یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کی مشیت اور اذن کے بغیر بھی کوئی نفع نقصان پہنچانے پر قادر ہے، مشرکانہ فعل اور عقیدہ ہے۔

جیسے کسی فوت شدہ شخص سے ڈرنا کہ وہ مجھے نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے، یہ خوفِ عبادت ہے جو صرف اللہ کا حق ہے، فطری خوف نہیں جو جائز ہے۔ اسی طرح کسی زندہ شخص کی بابت یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کی مشیت ہو یا نہ ہو، یہ شخص صرف اپنی مشیت سے مجھے نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے، یہ بھی خوفِ عبادت ہے، ہاں ظاہری اسباب کی حد تک وہ زندہ شخص نقصان پہنچا سکتا ہے، مگر کب؟ جب اللہ کی مشیت ہوگی۔ اگر اللہ کی مشیت نہ ہو تو ہر طرح کے اسباب و وسائل سے بہرہ ور ہونے کے باوجود وہ نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ بنا بریں ایک مسلح شخص یا دشمن سے یا کسی درندے اور خوف ناک جانور سے، ظاہری

اسباب کی رو سے خوف محسوس کرنا، فطری خوف ہے جس پر کوئی گرفت نہیں۔ لیکن اس میں یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ یہ نقصان اسی وقت پہنچا سکیں گے جب اللہ کی مشیت ہو گی، محض اپنی مشیت سے یہ کچھ نہیں کر سکیں گے۔ اللہ کی مشیت نہیں ہوگی تو یہ اسباب و وسائل، جو وہ نقصان پہنچانے کے لئے استعمال کریں گے، بے کار ثابت ہوں گے۔

④ عبادات کی جتنی بھی قسمیں ہیں، وہ سب اللہ کے لئے خاص ہیں، بدنی عبادات ہوں، جیسے نماز، روزہ، رکوع، سجود، طواف وغیرہ۔ مالی عبادات ہوں جیسے زکوٰۃ، قربانی، نذر و نیاز وغیرہ، قولی عبادات ہوں جیسے ذکر، استغفار وغیرہ، مالی و بدنی عبادت کا مجموعہ ہو جیسے حج۔ ہر قسم کی عبادت صرف اللہ کا حق ہے، ان میں سے کوئی بھی عبادت، اللہ کے سوا کسی اور کے لئے نہیں کی جاسکتی۔ اگر کی جائے گی تو ایسا کرنا توحید الوہیت کے خلاف اور شرک ہوگا۔

(۳) توحید اسماء و صفات : توحید کی یہ تیسری قسم ہے، اس کا مطلب یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ اللہ تمام صفات کمال سے متصف اور تمام صفات نقص سے پاک ہے اور ان دونوں باتوں میں وہ یکتا اور تنہا ہے۔ اس کے سوا کائنات میں کوئی ہستی ایسی نہیں جو ہر قسم کے کمالات سے متصف اور ہر عیب اور نقص سے پاک ہو۔ توحید کی یہ قسم تین بنیادوں پر قائم ہے۔
اول: اللہ ہر نقص سے اور مخلوق کے مشابہ ہونے سے پاک ہے۔

دوم: اللہ کے جو اسماء اور صفات، قرآن و احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں ان پر ایمان رکھنا ہے، بغیر اس کے کہ ان میں کوئی کمی کی جائے یا زیادتی یا تحریف کی جائے یا تعطیل (نفی)۔
سوم: اللہ کی صفات کی حقیقت، کنہ اور کیفیت کا ادراک کسی کے لئے ممکن نہیں۔
پہلی بنیاد کا مطلب ہے، اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں، اس لئے وہ اس بات سے پاک ہے

کہ وہ اپنی کسی صفت میں مخلوق کی صفت کے مشابہ ہو:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ (الشوریٰ ۴۲/۱۱)

”اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔“

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ (الاحلاص ۱۱۲/۴)

”اس کا کوئی ہمسر نہیں۔“

بعض علماء نے اس کا مطلب ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

لَيْسَ كَذَاتِهِ ذَاتٌ وَلَا كاسْمِهِ اسْمٌ وَلَا كَفِعْلِهِ فِعْلٌ وَلَا كَصِفَتِهِ صِفَةٌ، إِلَّا مِنْ جِهَةٍ مُوَافَقَةِ اللَّفْظِ، وَجَلَّتِ الذَّاتُ الْقَدِيمَةُ أَنْ يَكُونَ لَهَا صِفَةٌ حَدِيثَةٌ، كَمَا اسْتَحَالَ أَنْ يَكُونَ لِلذَّاتِ الْمُحَدَّثَةِ

صِفَةٌ قَدِيمَةٌ (تفسیر القرطبی، تحت آیت ”لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ“ ۸/۱۶)

”اس کی ذات جیسی کوئی ذات نہیں، اس کے نام جیسا کوئی نام نہیں، اس کے کام جیسا کوئی کام نہیں، اس کی صفت جیسی کوئی صفت نہیں، سوائے لفظی موافقت کے۔ وہ قدیم ذات اس سے کہیں بلند ہے کہ اس کے لئے کوئی حادث صفت ہو جیسے یہ ناممکن ہے کہ نوپیدا ذات کے لئے کوئی قدیم صفت ہو۔“

اس اعتبار سے اللہ کو ہر اس چیز سے پاک ماننا ضروری ہے جو اس کے اپنے یا رسول اللہ ﷺ کے بیان کردہ وصف کے خلاف ہو۔ بنا بریں توحید صفات کا تقاضا ہے کہ اس کو بیوی سے، اولاد سے، شریک سے، ہمسرا اور مددگار سے، اس کی اجازت کے بغیر کسی سفارشی سے، ولی اور دوست سے، عاجزی اور کمزوری سے پاک مانا جائے۔ اسی طرح یہ بھی اس کا تقاضا ہے کہ اسے نیند سے، اونگھ سے، تعب و تکان سے، موت سے، جمالت سے، ظلم سے، غفلت اور بھول سے اور اس قسم کے دیگر نقائص سے پاک تسلیم کیا جائے۔

دوسری بنیاد کا تقاضا ہے کہ اللہ کے اسماء و صفات کو اس طرح مانا جائے جیسے وہ قرآن کریم یا احادیث میں وارد ہوئے ہیں، ان کا تمام تر مدار، سماع و نقل پر ہے، رائے اور قیاس و عقل پر نہیں۔ پس اللہ عز و جل کا وہی وصف بیان کیا جائے جو خود اس نے یا رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے اور اسی نام سے اسے موسوم کیا جائے جو خود اس نے یا رسول اللہ ﷺ نے اس نام سے اسے پکارا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی ذات کو اور اپنی صفات اور اسماء کو خوب جانتا ہے اور اللہ کے رسول کی بات بھی اس کی بابت اس لئے صحیح ہے کہ وہ بھی صادق اور مصدوق اور وہی بات بتلاتے ہیں جس کی خبر ان کو وحی کے ذریعے سے

دی جاتی ہے، اس لئے اللہ اور اس کے رسول کے بیان کردہ اسماء و صفات سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔ نعیم بن حماد کا قول ہے:

مَنْ شَبَّهَ اللَّهَ بِخَلْقِهِ كَفَرَ وَمَنْ جَعَلَ مَا وَصَفَ اللَّهُ بِهِ نَفْسَهُ أَوْ وَصَفَهُ بِهِ رَسُولُهُ كَفَرَ، وَلَيْسَ فِيمَا وَصَفَ اللَّهُ بِهِ نَفْسَهُ، أَوْ وَصَفَهُ بِهِ رَسُولُهُ تَشْبِيهٌ وَلَا تَمْثِيلٌ (الروضة الندية، ص: ۲۲، بحوالہ کتاب

”الإيمان“ الدكتور محمد نعیم یاسین، دارالفرقان، عمان، الأردن ص: ۳۰)

”جس نے اللہ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دی اس نے کفر کیا۔ جس نے اس کے اس وصف کا انکار کیا جو خود اس نے یا اس کے رسول نے بیان کیا اس نے بھی کفر کیا اور اللہ کے وہ اوصاف جو خود اس نے اپنے لئے یا اس کے رسول نے اس کے لئے بیان کئے ہیں ان میں تشبیہ اور تمثیل نہیں ہے۔“

یعنی اللہ کو کسی کے ساتھ تشبیہ دینا یا اس کو کسی کے مثل بتلانا کفر ہے، لیکن اللہ کی ثابت شدہ صفات کو جس طرح وہ وارد ہوئی ہیں، بیان کرنا، تشبیہ و تمثیل کے ذیل میں نہیں آتا۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسماء و صفات باری تعالیٰ کو اسی طرح مانا جائے جس طرح وہ کتاب و سنت میں بیان ہوئی ہیں اور ان کو ان ہی ظاہری معنوں پر محمول کیا جائے جو لغت عرب سے واضح اور ظاہر ہوں۔ ان ظاہری معنوں کا انکار کر کے اللہ کی صفات کا انکار کیا جائے نہ ان کو ان کے ظاہری معنوں سے پھیرا جائے۔ یعنی تعطیل کی جائے نہ تحریف و تاویل بلکہ ان کے ظاہری مفہوم پر بلا کیف و تشبیہ ایمان رکھا جائے۔

تیسری بنیاد کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں بیان کردہ اسماء و صفات پر ایمان رکھا جائے، ان کی کیفیت پوچھی جائے نہ ان کی کنہ و حقیقت کی بحث و کرید میں پڑا جائے۔ اس لئے کہ صفات، اپنے موصوف کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں، علاوہ ازیں صفت کی کیفیت اس وقت تک واضح نہیں ہوتی جب تک کیفیت ذات کی شناخت نہ ہو اور جب اللہ کی ذات کی کنہ اور حقیقت و کیفیت کا کسی کو علم ہے نہ اس کی بابت سوال کرنا ہی جائز ہے تو اس کی صفات کی کیفیت کے بارے میں سوال کرنا بھی ناجائز ہے، کیونکہ اس کی کیفیات

صفات کا کوئی علم کسی کے پاس نہیں ہے۔ اسی لئے کسی سلف کا یہ قول مشہور ہے، 'جب ان سے استواء علی العرش کی کیفیت پوچھی گئی تو انہوں نے جواب دیا:

الْإِسْتِوَاءُ مَعْلُومٌ، وَالْكَفَيْفُ مَجْهُولٌ، وَالْإِيْمَانُ بِهِ وَاجِبٌ وَالسُّؤَالُ

عَنْهُ بِذَعَةٍ (الروضة الندية، ص: ۲۹، بحوالہ "الإيمان" ص: ۳۱)

”استواء معلوم ہے (یعنی قرآن میں اللہ کے استواء علی العرش کا ذکر ہے) لیکن اس کی

کیفیت نامعلوم ہے، تاہم اس پر ایمان رکھنا واجب ہے اور اس کی بابت سوال کرنا

بدعت ہے۔“

اسی طرح اللہ کی دیگر صفات کا معاملہ ہے، وہ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے جو صحیح حدیث سے ثابت ہے لیکن کس طرح؟ یہ کیفیت ہم بیان نہیں کر سکتے، وہ سنتا ہے، دیکھتا ہے، کلام فرماتا ہے، لیکن کیسے؟ ہمیں ان کی کیفیات کا علم نہیں۔ جب ہم کیفیت ذات ہی سے ناواقف اور بے خبر ہیں، تو صفات تو موصوف کی فرع اور اس کے تابع ہوتی ہیں، پھر ہم ان صفات کی کیفیات کو کس طرح جان سکتے ہیں؟ اس لئے جب یہ بات متحقق ہے کہ نفس الامر میں اللہ عزوجل کا وجود ہے اور وہ تمام صفات کمال کو مستوجب ہے اور مخلوق میں سے کوئی اس کی مثل اور مشابہ نہیں تو اس کا سمع و بصر، کلام و نزول اور استواء وغیرہ صفات بھی ثابت ہیں اور وہ جن صفات کمال سے متصف ہے ان میں وہ مخلوقات کے سمع و بصر، کلام و نزول اور استواء سے مشابہت نہیں رکھتا۔

توحید اسماء و صفات کے تقاضے: ① مذکورہ تفصیل سے واضح ہے کہ اللہ کی صفات کو مخلوق کی صفات کے ساتھ تشبیہ نہیں دی جاسکتی، جیسے عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو، یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور مشرکین نے اپنے بتوں کو اللہ کے مشابہ قرار دیا یا جیسے بعض لوگوں نے اللہ کے چہرے کو مخلوق کے چہرے کے ساتھ، اللہ کے ہاتھ کو مخلوق کے ہاتھ کے ساتھ، اللہ کے سننے کو مخلوق کے سننے کے ساتھ تشبیہ دی۔

② تاویل کے ذریعے سے اللہ کے اسماء و صفات میں تحریف اور تغیر و تبدیلی جائز نہیں۔ اس لئے قرآن و حدیث میں وارد صفات الہی (وجہ، ید، استواء، نزول، غضب و رضا

وغیرہ) کے معانی میں ایسی تاویل کرنا جن سے یہ صفات بے معنی، معطل اور باطل ہو جائیں یا ان میں سے کسی کا انکار لازم آئے، منہاج سلف کے خلاف ہے۔

③ اللہ کی کسی صفت کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی نہ ان کی کنہ اور حقیقت کا ادراک کیا جاسکتا ہے۔ اس بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بڑا جامع ہے، ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ یہی کہے:

«آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَبِمَا جَاءَ عَنِ اللّٰهِ عَلٰی مُرَادِ اللّٰهِ وَآمَنْتُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ، وَبِمَا جَاءَ عَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلٰی مُرَادِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ» («الایمان» محمد نعیم یاسین، ص: ۳۲)

”میں ایمان لایا اللہ پر، اس پر جو اللہ کی طرف سے آیا، اللہ کی مراد کے مطابق اور ایمان لایا میں اللہ کے رسول پر اور اس پر جو اللہ کے رسول کی طرف سے آیا، رسول اللہ ﷺ کی مراد کے مطابق۔“

اس بات کو ایک فارسی شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہرچہ گفتہ اند، شنیدیم و خواندہ ایم
منزل تمام گشت وہ پایاں رسید عمر
ماہم چناں در اقل وصف تو ماندہ ایم

ایک اور شاعر نے کہا۔

اے بروں از وہم و قال و قیل من
خاک برفرق من و تمثیل من

توحید، بندوں پر اللہ کا سب سے بڑا حق ہے: مذکورہ طریقے سے اللہ کو ماننا اور اس کی عبادت کرنا، یہ اللہ کا وہ حق ہے جو بندوں پر فرض ہے۔ جیسے ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«هَلْ تَذَرِي حَقَّ اللَّهِ عَلَى عِبَادِهِ؟ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ؟»

”کیا تو جانتا ہے اللہ کا بندوں پر اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟“

حضرت معاذ فرماتے ہیں۔ میں نے کہا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہے۔ ”آپ نے فرمایا:

«فَإِنَّ حَقَّ اللَّهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ أَنْ لَا يُعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا» (صحیح البخاری، الجہاد والسير، باب اسم الفرس والحمار، ح: ۲۸۵۶ وصحیح مسلم، الإیمان، باب الدلیل علی أن من مات علی التوحید ح: ۳۰)

”بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ صرف اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کے ذمے بندوں کا حق یہ ہے کہ وہ ان کو عذاب نہ دے جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔“

یہ بندوں پر اللہ کا وہ حق ہے جو سب سے پہلے ہے، اس حق پر کوئی حق مقدم نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ (الإسراء ۱۷/۲۳)

”آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ عبادت صرف اس ایک اللہ کی کرنی ہے اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے۔“

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ (الأنعام ۱۵۱/۶)

”آؤ! میں تمہیں وہ پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے، (ایک حکم اس نے یہ دیا ہے) کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔“

تمام حقوق پر اس حق الہی کی اولیت و اولویت اور اس کے اساس دین ہونے کی وجہ ہی

سے نبی ﷺ مکے کی تیرہ سالہ زندگی میں لوگوں کو صرف اسی توحید کی دعوت دیتے اور شرک سے لوگوں کو روکتے رہے۔ گویا تیرہ سال تک منصب نبوت کی ادائیگی کا محور، عقیدہ توحید کا اثبات اور معبودان باطل کا انکار رہا۔

علاوہ ازیں قرآن کریم میں بھی اس موضوع کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور اس میں مختلف انداز سے اسے واضح کیا اور نکھارا گیا ہے۔ اسی طرح ہر نماز میں، چاہے وہ فرض ہو یا نفل، نمازی اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر یہ اقرار و اعتراف کرتا ہے۔

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ (الفاتحہ ۵/۱)

”ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔“

یہ اقرار و اعتراف، توحید الوہیت یا توحید عبادت ہی کا اقرار ہے اور یہی توحید ہر انسان کی فطرت میں ودیعت رکھی گئی ہے یعنی ہر انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اسی بات کو نبی ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

«مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ وَيُمَجَّسَّانِهِ كَمَا تُتَّبَعُ الْبَهِيمَةُ بِبَهِيمَةٍ جَمْعَاءَ هَلْ تُحْسِنُونَ فِيهَا مِنْ جَذَعَاءَ (صحیح مسلم، القدر، باب معنی کل مولود ۱۰۰۰، ح: ۲۶۵۸)

”ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی (وغیرہ) بنا لیتے ہیں۔ جیسے چوپائے کے بچے کو اس کی ماں صحیح سالم جنتی ہے۔ کیا تم اس میں اس کا کوئی عضو کٹا ہوا دیکھتے ہو؟“

(اس حدیث کے راوی) پھر ابو ہریرہ فرماتے، کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو۔

﴿فَطَرَتِ اللَّهُ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا يَبْدِلُ لَخَلْقِ اللَّهِ﴾ (الروم ۳۰/۳۰)

”یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی پیدائش میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔“

اس حدیث کی بنیاد پر ہی علماء کہتے ہیں کہ جہاں میں اصل چیز توحید ہے (کیونکہ یہ فطرت کی آواز ہے) اور شرک باہر سے مسلط چیز ہے جو شیطان کی مذموم کوشش کے نتیجے میں

انسان پر طاری ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔
﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ﴾ (البقرة ۲/۲۱۳)
”لوگ ایک ہی گروہ تھے (پھر وہ مختلف ہو گئے) تو اللہ نے نبیوں کو خوش خبریاں سنانے اور (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب نازل کی ساتھ حق کے، تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں میں فیصلہ کریں جن میں وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں۔“

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا﴾ (یونس ۱۰/۱۹)
”لوگ ایک ہی گروہ تھے، پھر وہ مختلف ہو گئے۔“

لوگ کس چیز میں متحد تھے؟ اسی عقیدہ توحید میں۔ بقول حضرت ابن عباس، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام تک، جو دس قرونوں پر محیط ہے، اسی دین اسلام پر لوگ قائم رہے۔ (تفسیر ابن کثیر) سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں شرک پیدا ہوا، جس کا سبب نیک لوگوں کی محبت میں غلو اور اپنے پیغمبر کی دعوت سے اعراض تھا۔ جب حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی تو انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا۔

﴿لَا نَذَرُنَّ الْهِنَكَ وَلَا نَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا﴾

(نوح ۷۱/۲۳)

”تم اپنے معبودوں کو مت چھوڑنا اور نہ وڈ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو چھوڑنا۔“
حضرت ابن عباس ہی سے صحیح بخاری میں منقول ہے کہ مذکورہ پانچوں بت، قوم نوح کے پانچ نیک لوگوں کے نام تھے۔ جب یہ صالحین فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ وہ ان کے مجتہد بنا کر اپنی ان مجلسوں میں رکھ لیں جن میں وہ بیٹھا کرتے تھے، اور ان مجتہدوں کو ان صالحین کے ناموں ہی سے موسوم کریں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا

ہی کیا لیکن (یہ کام انہوں نے محض ان کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے کیا تھا) انہوں نے ان کی عبادت نہیں کی۔ البتہ جب ایک نسل ختم ہو گئی، تو پھر بعد میں آنے والوں نے ان مجسموں کی عبادت شروع کر دی۔

اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ قوم نوح کے یہ پانچوں بت عرب میں بھی پوجے جاتے رہے۔ چنانچہ وَدّ، دومتہ الجندل میں قبیلہ کلب کا۔ سواع، قبیلہ ہذیل کا۔ یغوث، قبیلہ مراد، پھر سبا کے نزدیک جرف میں بنو غطف کا۔ یعوق قبیلہ ہمدان کا اور نسر، آل ذوالکلاع کی شاخ، حمیر کا معبود رہا۔ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ نوح، ح: ۴۹۲۰)

حضرت ابن عباس کے اس اثر سے یہ واضح ہوا کہ قوم نوح میں شرک کا آغاز صالح لوگوں کی محبت میں غلو کرنے سے ہوا۔ اس غلو محبت نے پہلے ان سے ان کی تصویریں اور ان کے مجسمے تیار کروائے، پھر ان کو اپنی بیٹھکوں اور دیواروں پر نصب کروایا۔ یہی مجسمے پھر قابل تعظیم اور قابل عبادت قرار پا گئے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے تصویروں اور مجسموں کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے، کیونکہ یہ مجسمے ہی ہر دور میں شرک کا ذریعہ رہے ہیں۔ آج بھی اس حقیقت کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، جاہل عوام آج بھی پیروں، فقیروں اور حقیقی و مصنوعی بزرگوں حتیٰ کہ ننگ دھڑنگ ملنگوں کی تصویروں کو گھروں اور دکانوں میں سجا کر رکھنے کو برکت کا باعث سمجھتے ہیں اور ان کی اس طرح تعظیم کرتے ہیں جیسے مشرکین اپنے معبودوں کی تعظیم بجالاتے ہیں۔ یہ تعظیم بے جا اور غلو محبت ہی عوام کو بتدریج شرک کی طرف لے جاتا ہے اور پھر وہ ان فوت شدگان ہی کو حاجت روا، مشکل کشا اور نافع و ضار سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ فنعود باللہ من هذا الغلو و فساد العقیدۃ۔



باب : سوم

شرک کیا ہے اور مشرک کون ہے؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا﴾ (النساء ۴۸/۴۸)

”بے شک اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرمائے گا“ اس کے علاوہ جو گناہ ہوں گے، تو وہ جس کے لئے چاہے گا، معاف فرمادے گا اور جو اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتا ہے تو یقیناً اس نے ایک بہت بڑا گناہ (بہتان) باندھا۔“

ایک دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا:

﴿إِنَّكُمْ مِّنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾ (المائدة ۷۲/۵۷۲)

”بلاشبہ جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے، تو یقیناً اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ظالموں (مشرکوں) کے لئے کوئی مددگار نہیں ہوگا۔“

اس قسم کی متعدد آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی مذمت کی ہے، اسے ظلم عظیم قرار دیا ہے اور اسکی وجہ سے تمام اعمال کے باطل ہونے کی خبر دی ہے۔ شرک کی اتنی مذمت کیوں کی گئی ہے؟ اسلئے کہ یہ ناقابل معافی جرم ہے، اگر ایک مشرک نے دنیا ہی میں شرک سے توبہ نہ کی اور توحید کا راستہ نہ اپنایا اور شرک کرتے کرتے ہی فوت ہو گیا، تو اس کیلئے معافی کی کوئی صورت نہیں، اس کیلئے جہنم کی دائمی سزا ہے۔ جیسے کافر، اللہ کو نہ ماننے والا ہمیشہ جہنم میں رہے گا، ایسے ہی اللہ کو ماننے کے باوجود شرک کرنے والا ہمیشہ جہنم میں رہے گا، ان دونوں کو جہنم کے عذاب سے کبھی نجات نہیں ملے گی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر

نبی نے آکر اپنی قوم کو سب سے پہلے توحید ہی کا درس دیا اور اسے شرک سے روکا، جیسا کہ قرآن میں صراحت ہے۔

شرک کیا ہے؟ جب شرک کی سزا دائمی جہنم ہے اور تمام انبیاء نے رد شرک ہی کو سب سے زیادہ اہمیت دی۔ تو ضروری ہے کہ ہم معلوم کریں کہ شرک کیا ہے؟

دو خالقوں اور دو معبودوں کا عقیدہ

شرک کی پہلی قسم: شرک کا ایک مطلب تو ہے، ذات کے اعتبار سے مختلف الہ (معبود اور کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار رکھنے والے) تسلیم کرنا۔

یعنی یہ عقیدہ رکھا جائے کہ کائنات کا خالق و مالک اور اس کا مدبر و منتظم ایک معبود نہیں ہے، بلکہ کئی معبود ہیں۔ جیسے مجوسیوں (آتش پرستوں) کا عقیدہ تھا اور ہے کہ کائنات میں خالق دو ہیں، ایک شرکاء خالق، دوسرا خیر کا۔ ایک ظلمت کا خالق، دوسرا نور کا۔

اللہ تعالیٰ نے اس عقیدے کی نفی فرمائی اور فرمایا کہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ہر چیز کا خالق صرف ایک ہی ہے اور مدبر و منتظم بھی صرف وہی ایک۔ کیونکہ اگر کائنات میں دو الہ (معبود) ہوتے اور اس میں دونوں کا تصرف اور ارادہ کار فرما ہوتا، تو یہ نظام عالم اس طرح کبھی درست نہ رہتا جیسے وہ ہزاروں سال سے ہے۔ چاند سورج کا طلوع و غروب، رات اور دن کا آنا جانا، موسموں کا تغیر و تبدل، کبھی بہار، کبھی خزاں، سردی گرمی، سردیوں میں دنوں کا چھوٹا اور راتوں کا لمبا ہو جانا اور گرمیوں میں اس کے برعکس دنوں کا لمبا اور راتوں کا چھوٹا ہو جانا۔ یہ نظام عالم ہزاروں سال سے یوں ہی قائم چلا آ رہا ہے، اس میں کبھی تبدیلی آئی ہے نہ اس میں کوئی گڑبڑ ہوئی ہے اور نہ اس کے درمیان کبھی کوئی تصادم ہی ہوا ہے۔ یہ یکسانیت، استحکام اور ہر چیز کی استواری، اس بات کی دلیل ہے کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا بھی ایک ہے اور اس میں نظم و تصرف بھی اسی کا کار فرما ہے۔ نہ اس کی تخلیق میں کسی اور کی شرکت ہے نہ اس کی تدبیر و انتظام میں کسی اور کا حکم چلتا ہے۔ کیونکہ خالق اگر ایک کی بجائے دو یا اس سے زیادہ ہوتے تو یہ استحکام و استواری کبھی نہ ہوتی۔ قرآن نے اس کو

یوں بیان فرمایا:

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾ (الانبیاء ۲۱/۲۲)

”اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا کوئی اور بھی معبود ہوتے، تو آسمان و زمین کا یہ نظام خراب ہو جاتا۔“

یعنی اگر واقعی آسمان و زمین میں دو یا اس سے زیادہ معبود ہوتے، تو کائنات میں تصرف کرنے والی کئی ہستیاں ہوتیں، مختلف معبودوں کا ارادہ و شعور کار فرما ہوتا اور جب ایسا ہوتا یعنی کئی ہستیوں کا ارادہ اور فیصلہ کائنات میں چلتا، تو یہ نظم کائنات اس طرح قائم رہ ہی نہیں سکتا تھا جو ابتدائے آفرینش سے بغیر کسی ادنیٰ توقف کے قائم چلا آ رہا ہے۔ کیونکہ ان کا ارادہ ایک دوسرے سے ٹکراتا، ان کی مرضی کا آپس میں تصادم ہوتا، ان کے اختیارات ایک دوسرے کی مخالف سمت میں استعمال ہوتے، جس کا نتیجہ ابتری اور فساد کی صورت میں رونما ہوتا اور اب تک ایسا نہیں ہوا تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ کائنات میں صرف ایک ہی ہستی ہے جس کا ارادہ و مشیت کار فرما ہے، جو کچھ بھی ہوتا ہے، صرف اور صرف اسی کے حکم پر ہوتا ہے، اس کے دیئے ہوئے کو کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے وہ اپنی رحمت روک لے، اس کو کوئی دینے والا نہیں۔ ایک دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا:

﴿مَا آتَخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ إِذَا لَذَهَبَ كُلُّ إِلَهٍ بِمَا

خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾ (المؤمنون ۲۳/۹۱)

”اللہ کی کوئی اولاد نہیں ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہی ہے، اگر ایسا ہوتا

تو ہر معبود اپنی پیدا کردہ چیز کو خود لے جاتا (اور اس میں اپنی مرضی سے تصرف کرتا) اور

ان میں ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتا۔“

مطلب ان دونوں آیتوں کا یہ ہے کہ جب نظم عالم میں آج تک کوئی اختلال و فساد رونما نہیں ہوا تو مان لینا چاہیے کہ کائنات میں خالق و مالک اور مدبر و منتظم ایک ہی اللہ ہے، اس کا انکار بد اہت اور روز روشن جیسی حقیقت کا انکار ہے۔

شرک کی دوسری اور عام قسم: شرک کی دوسری قسم، جو عام ہے، اللہ کی ذات میں تو

نہیں، اس کی صفات میں دوسروں کو شریک کرنا ہے، جیسے عالم الغیب ہونا۔ دُور اور نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سن لینا، ماورائے اسباب طریقے سے نفع نقصان پہنچانے پر قادر ہونا، وغیرہ۔ یہ سب اللہ کی خاص صفات ہیں، اللہ کے سوا کوئی بھی ان صفات کا حامل نہیں ہے، نہ کوئی نبی، نہ کوئی ولی، نہ کوئی اور ہی۔ اگر کوئی اللہ کے سوا کسی کو عالم الغیب سمجھتا ہے، ہر ایک کی فریاد سننے پر اور مافوق الاسباب طریقے سے نفع نقصان پہنچانے پر قادر سمجھتا ہے، تو گویا اس نے اللہ کی صفات دوسروں میں مان کر انکو اللہ کا شریک قرار دے لیا۔

اسی طرح عبادت کا حق صرف ایک اللہ کا ہے، عبادت کی تمام قسمیں اسی کے لئے ہیں، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، اس کے سامنے دست بستہ تعظیماً کھڑے ہونا، نذر و نیاز دینا، اس سے دعائیں کرنا، مافوق الاسباب طریقے سے اس کی گرفت سے ڈرنا اور اس سے امیدیں وابستہ کرنا وغیرہ۔ یہ سب عبادت کی قسمیں ہیں جو صرف اللہ کے لئے خاص ہیں۔ اس لئے نماز بھی صرف اللہ کے لئے پڑھی جاسکتی ہے، نیاز بھی اسی کے نام کی دی جاسکتی ہے، تعظیم کے طور پر دست بستہ قیام بھی اسی کا حق ہے، دعائیں مانگنا اور استمداد و استغاثہ کرنا بھی اسی سے جائز ہے۔

ان میں سے کوئی کام بھی کسی اور کیلئے کیا جائے گا، تو وہ شرک ہو جائے گا اور یہ شرک توحید الوہیت میں ہو گا۔ شرک کی یہ دوسری قسم بہت عام رہی ہے۔ مشرکین عرب کا شرک بھی یہی تھا۔ ہندو، جو مورتیوں کے پجاری ہیں، انکا شرک بھی یہی ہے اور آج کل کے نام نہاد مسلمانوں کے اندر بھی اس شرک کے مظاہر عام ہیں۔ اس شرک کے مرتکب توحید ربوبیت کے قائل رہے ہیں اور ہیں۔ توحید ربوبیت کا مطلب ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک اور سب کا پالناہار صرف ایک اللہ ہے۔ چنانچہ قرآن میں صراحت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿قُلْ لِّمَنَ الْأَرْضُ وَمَن فِيهَا إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (۸۱) سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ
أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۸۲﴾ قُلْ مَن رَّبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ
الْعَظِيمِ ﴿۸۳﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا نُنْقِطُ ﴿۸۴﴾ قُلْ مَن بِيَدِهِ مَلَكُوتُ
كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُحْيِيهِ وَلَا يُحْيِيهِ إِلَّا كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۵﴾

سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ ﴿ (المؤمنون ۲۳/۸۹-۸۴)

”ان سے پوچھئے! زمین اور جو کچھ اس میں ہے، کس کا ہے؟ اگر تم علم رکھتے ہو؟ تو وہ جواب دیں گے۔ (یہ سب) اللہ کا ہے۔۔۔۔۔ ان سے پوچھئے، ساتوں آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ تو وہ یقیناً کہیں گے، اللہ ہی ہے۔۔۔۔۔ ان سے پوچھئے! کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے؟ اور وہی سب کو پناہ دیتا ہے، اس کے مقابلے میں کسی کو پناہ نہیں دی جاسکتی، تو وہ یہی کہیں گے کہ یہ سب کام اللہ ہی کے ہیں۔۔۔۔۔“

﴿ قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَرَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدِيرُ الْأَمْرَ فَيَقُولُونَ لِلّٰهِ ﴿ (یونس ۱۰/۳۱)

”پوچھئے! کون ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے روزی پہنچا رہا ہے؟ یا کون ہے جو مالک ہے (تمہارے) کانوں اور آنکھوں کا؟ اور کون ہے جو نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے؟ اور کون ہے جو تدبیر کرتا ہے سارے کاموں کی؟ تو وہ (ان سب کے جواب میں) کہیں گے، اللہ۔“

﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ لِلّٰهِ ﴿ (الزمر ۳۹/۳۸)

”اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کئے آسمان اور زمین؟ تو ضرور کہیں گے، اللہ نے۔“

قرآن کریم کی ان تصریحات سے واضح ہے کہ مشرکین عرب مانتے تھے کہ آسمان و زمین کا خالق اللہ ہے، روزی رساں اللہ ہے، کائنات کی تدبیر کرنے والا اللہ ہے، زندگی دینے اور موت سے ہمکنار کرنے والا اللہ ہے اور ہر چیز کا اختیار اسی کے پاس ہے۔ جب وہ یہ سب کچھ مانتے تھے، تو پھر وہ مشرک کیوں قرار پائے؟ اسی لئے کہ وہ صرف توحید ربوبیت کو مانتے تھے اور توحید الوہیت کے قائل نہیں تھے اور خدائی اختیارات و اوصاف میں اور اس کے حق عبادت میں دوسروں کو شریک مانتے تھے، اس لئے اللہ نے ان کو مشرک قرار دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ صرف توحید ربوبیت کو مان لینا کافی نہیں ہے، اس کے قائل تو

مشرکین عرب بھی تھے۔ توحید ربوبیت کے ساتھ توحید الوہیت کا ماننا بھی ضروری ہے، جب تک توحید الوہیت کو نہیں مانا جائے گا، توحید کے تقاضے پورے نہیں ہوں گے۔ یعنی یہ تسلیم کیا جائے کہ جس طرح وہ ذات کے اعتبار سے واحد ہے، اسی طرح صفات کے اعتبار سے بھی یکتا ہے، اس کی سی صفات کسی کے اندر نہیں پائی جاتیں۔ اسی طرح عبادت کی تمام قسموں کا مستحق بھی صرف اور صرف وہی ہے جس طرح نماز، اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں پڑھی جاسکتی روزہ، اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں رکھا جاسکتا، اسی طرح نذر و نیاز بھی اللہ کے نام کے سوا کسی کے لئے نہیں دی جاسکتی کیونکہ نذر بھی عبادت ہے، دعا بھی اللہ کے سوا کسی سے نہیں مانگی جاسکتی، کیونکہ دعا بھی عبادت ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: ((الِدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) طواف بھی بیت اللہ کے سوا، کسی اور جگہ کا نہیں کیا جاسکتا۔

افسوس ہے کہ آج مسلمانوں کی ایک بہت بڑی اکثریت بھی مشرکین عرب کی طرح توحید ربوبیت کی تو قائل ہے، لیکن توحید الوہیت کی منکر ہے، اس لئے وہ مافوق الاسباب طریقے سے غیر اللہ سے بھی امیدیں وابستہ کرتی ہے، غیر اللہ کے نام کی بھی نذر و نیاز دیتی ہے غیر اللہ سے بھی استمداد و استغاثہ کرتی ہے۔ قبروں کا طواف کرتی ہے، بہت سے لوگ قبروں کو سجدہ تک کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ غیر اللہ میں بھی اللہ والی صفات تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ شرک ہے۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نو میدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟ (علامہ اقبال)

کیا مسلمانوں کو ان کے مشرکانہ عقائد کی وجہ سے
مشرک نہیں کہا جاسکتا؟ ایک مغالطے کی وضاحت

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں جو لوگ آستانوں اور قبروں پر جا کر استغاثہ و استمداد کرتے، حتیٰ کہ ان کی قبروں کو سجدے تک کرتے ہیں، انہیں مشرک نہیں کہا جاسکتا، یا انہیں مشرک نہیں کہنا چاہیئے، ان کا استدلال یہ ہے کہ قرآن نے مشرکین کی اصطلاح صرف

اہل مکہ اور عرب کے دیگر مشرکین کے لئے استعمال کی ہے اور یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب کہا ہے، حالانکہ ان کے عقیدے بھی مشرکانہ ہی تھے، لیکن ان کو قرآن مجید میں اللہ نے مشرک کے لفظ سے مخاطب نہیں فرمایا۔ یہ استدلال علمی لحاظ سے اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا۔ کیونکہ نزول قرآن کے وقت جو فرقے تھے، وہ ویسے تو سارے ہی کافر اور مشرک تھے، اللہ تعالیٰ سب کے لئے کفار و مشرکین کے الفاظ استعمال فرما سکتا تھا اور واقعات کے اعتبار سے یہ صحیح ہوتا۔ لیکن اللہ نے ایسا نہیں کیا۔ کیوں؟ کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ یہود و نصاریٰ عقیدے کے لحاظ سے مشرک نہیں تھے؟ اور صرف بتوں کے پجاری عرب ہی مشرکانہ عقیدوں کے حامل تھے؟ یقیناً یہ وجہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ کے مشرکانہ عقیدوں کی وضاحت خود قرآن نے کی ہے۔ کیا حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ حضرت مریم کو الہ (معبود) ماننا مشرکانہ عقیدہ نہیں ہے؟ کیا اللہ کی بابت یہ کہنا کہ وہ ”تین (خداؤں) میں سے تیسرا ہے“ مشرکانہ عقیدہ نہیں ہے؟ حضرت عزیر اور حضرت مسیح کو اللہ کا بیٹا قرار دینا مشرکانہ عقیدہ نہیں ہے؟ اور کیا قرآن نے ان کے ان عقیدوں کو لفظ کفر سے تعبیر نہیں کیا ہے؟ اگر ان باتوں کا جواب اثبات میں ہے (اور یقیناً اثبات میں ہے، کیونکہ یہ سب قرآن میں مذکور ہے) تو پھر سوال یہ ہے کہ ان کے مذکورہ عقیدوں کی وجہ سے یہود و نصاریٰ کو مشرک اور کافر کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ کافر کا لفظ تو ان کے لئے صراحۃً قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے۔ گویا اصل سوال یہ رہ گیا، انہیں مشرک کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟

ہمارا جواب یہ ہے کہ مذکورہ عقیدے مشرکانہ ہیں، اس لئے ان عقیدوں کے حاملین بھی یقیناً اسی طرح مشرک ہیں، جیسے لات و عزریٰ کے پجاری مشرک تھے۔ اب یہ سوال سامنے آتا ہے کہ پھر قرآن نے ان کو صراحت کے ساتھ مشرک کیوں نہیں کہا؟ اور انہیں مشرکین عرب کے مقابلے میں اہل کتاب کے الفاظ سے کیوں مخاطب کیا؟ ہمارے ناقص فہم کے مطابق اس کی اصل وجہ تمام موجود فرقوں کا امتیاز اور تشخیص تھا، اگر سب کیلئے ایک ہی لفظ ”مشرک“ استعمال کیا جاتا، تو کسی بھی فرقے کا امتیاز باقی نہ رہتا، جب کہ اللہ کی مشیت، ان کے امتیاز کو باقی رکھنا تھی۔ یہود و نصاریٰ کا امتیاز یہ تھا کہ وہ اللہ اور رسولوں کے ماننے والے تھے، انہیں آسمانی

کتابوں سے بھی نوازا گیا تھا، لیکن اس کے باوجود وہ عمل و اعتقاد کی خرابیوں میں مبتلا ہو گئے۔ انہیں بار بار اہل کتاب کے لفظ سے خطاب کرنے میں یہی حکمت تھی کہ انہیں ان کے جرم اور معصیت و طغیان کی شاعت و قباحت کو زیادہ سے زیادہ نمایاں کر کے دکھلایا جاتا اور وہ اسی طرح ہو سکتا تھا کہ انہیں یاد دلایا جاتا کہ تم لوگوں نے اہل کتاب ہونے کے باوجود یہ یہ کیا اور اس قسم کے عقیدے گھڑ لئے، جو صریحاً کفر ہیں۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ان کے اندر شرک نہیں پایا جاتا تھا اور اس اعتبار سے وہ مشرک نہیں تھے۔ یقیناً جس طرح وہ کافر تھے، مشرک بھی تھے۔ انہیں اہل کتاب صرف عربوں سے ممتاز کرنے کیلئے کہا گیا، جیسے عربوں کو قرآن نے اُمی بھی کہا، کیونکہ ان کی اکثریت ان پڑھ تھی، جب کہ اہل کتاب میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ قائم تھا، اس لئے انہیں اُمی نہیں کہا گیا۔ اس کی وجہ اس معاملے میں دونوں کا اپنا اپنا امتیاز تھا، عرب بالعموم ان پڑھ تھے اور اہل کتاب کی اکثریت پڑھی لکھی۔ اس لئے ایک کو اہل کتاب اور دوسرے کو اُمی کہا گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عربوں میں کوئی بھی پڑھا لکھا نہ تھا یا اہل کتاب میں کوئی ان پڑھ نہ تھا، یہ عمومی اعتبار سے ان کا ایک تشخص تھا جس کو اللہ نے ایک حکمت و مصلحت کے تحت باقی رکھا۔ اس سے قطعاً یہ مفہوم اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ اہل کتاب کو مشرک نہیں کہا جاسکتا۔ اسکو ایک اور مثال سے یوں سمجھا جاسکتا ہے۔ قرآن میں ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَى وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ﴾ (الحج ۱۷/۲۲)

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور صابئین اور نصاریٰ اور مجوس اور وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا، اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔“

یہاں اللہ تعالیٰ نے ان تمام گروہوں کا الگ الگ نام لیا، جو نزول قرآن کے وقت عرب یا اس کے قرب و جوار میں تھے اور امتیازی ناموں سے معروف تھے، ان میں اہل ایمان اور یہود و نصاریٰ کے علاوہ صابئین اور مجوس کا نام بھی ہے، صابئین، فرشتوں اور ستاروں کے پجاری تھے۔ مجوس، سورج پرست اور آتش پرست تھے، بلکہ مجوس دو خالق مانتے تھے، ایک

نور اور خیر کا خالق اور دوسرا ظلمت اور شر کا خالق اور یہ دنیا کا واحد فرقہ ہے جو ذات کے اعتبار سے تعددِ الہ کا قائل ہے۔ ورنہ دیگر تمام مشرکین ذات کے اعتبار سے ایک ہی الہ کے قائل رہے ہیں، وہ صرف صفات کے اعتبار سے دوسروں کو خدائی اختیارات کا حامل سمجھتے تھے، جیسے آج کل کے قبر پرست ہیں۔ گویا دنیا میں اصل اور سب سے بڑے مشرک مجوس تھے اور ہیں، لیکن قرآن نے ان کا ذکر مشرکوں کے ساتھ نہیں کیا، بلکہ ان کے امتیازی نام سے ان کا ذکر کیا، صابئین کا بھی ان کے امتیازی نام سے ذکر کیا اور ان سب کا نام لینے کے بعد فرمایا، «وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا» اور وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا، یعنی بتوں کے پجاریوں کو الگ مشرکین کے لفظ سے یاد کیا، جب کہ صابئین بھی ستارہ پرست اور مجوس بھی سورج پرست و آتش پرست تھے اور اس اعتبار سے یقیناً یہ بھی یکے مشرک تھے، لیکن اس کے باوجود قرآن نے ان کا ذکر مشرکین سے الگ کیا۔ کیا اس سے یہ استدلال صحیح ہو گا کہ صابئین اور مجوس مشرک نہیں ہیں یا انہیں مشرک نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ قرآن نے ان کے لئے مشرکین کی اصطلاح استعمال نہیں کی؟

اگر صابئین اور مجوس اپنے عقیدوں کے اعتبار سے مشرک ہیں اور انہیں مشرک کہا جاسکتا ہے، حالانکہ قرآن نے انہیں مشرک نہیں کہا، بلکہ مشرکین سے الگ ان کا ذکر کیا ہے۔ تو یقیناً یہود و نصاریٰ کو بھی ان کے عقیدوں کی بنا پر مشرک کہا جاسکتا ہے، گو قرآن نے ان کا ذکر مشرکین سے الگ کیا ہے۔ کیونکہ امتیاز کے لئے الگ الگ نام لینا ضروری تھا۔ اسی طرح جو نام نہاد مسلمان مشرکانہ عقائد و اعمال میں مبتلا ہیں، وہ مسلمانوں میں شمار ہونے کے باوجود، مشرک کیوں نہیں ہو سکتے؟ یا انہیں مشرک کیوں نہیں کہا جاسکتا؟

یہ ساری گفتگو ہم نے یہ تسلیم کرتے ہوئے کی ہے کہ قرآن نے یہود و نصاریٰ کو مشرک نہیں کہا ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں یہ دعویٰ بھی مکمل طور پر صحیح نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ صراحتاً انہیں مشرک نہیں کہا گیا، لیکن قرآن نے انکے مشرک ہونے کی طرف واضح اشارہ ضرور کیا ہے، دیکھئے قرآن نے کہا:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ

الْمَسِيحُ يَكْفُرُ بِإِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّكُمْ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن أَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾

(المائدة/ ۵/ ۷۲)

”یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا، جنہوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔ اور مسیح نے کہا، اے بنو اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو، جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ بلاشبہ جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے، تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ظالموں (مشرکوں) کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔“

قرآن کریم کی اس آیت کا سیاق واضح کر رہا ہے کہ مسیحیوں کا عقیدہ ابنیت مسیح جیسے کفر ہے، وہ شرک بھی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ کفر کے لئے صریح لفظ استعمال کیا گیا ہے، جب کہ شرک کے لئے تعریض و کنایہ کا انداز اپنایا گیا ہے۔ اگر ابنیت مسیح کا عقیدہ شرک نہ ہوتا یا کم از کم یہ کہا جائے کہ قرآن نے اسے شرک سے تعبیر نہیں کیا ہے، تو یہاں ﴿مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ﴾ کہنے کا کوئی مطلب ہی نہیں رہتا۔ یہ عقیدہ شرک ہے، تب ہی تو اللہ نے اس عقیدے کو کفر سے تعبیر کر کے شرک کی سزا بیان فرمائی ہے، ورنہ یہ کہا جاتا، ﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ... وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ﴾ کی جگہ ﴿وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ﴾ کہہ کر واضح کر دیا گیا کہ کسی کا امتیازی نام کچھ بھی ہو، لیکن اگر اس کے عقیدہ و عمل میں شرک کی آمیزش پائی جائے، تو اس کے عقیدے کو شرک اور خود اس کو مشرک کہا جاسکتا ہے، اسی لئے قرآن نے یہاں ان کو ظالم سے بھی تعبیر کیا ہے جو یہاں یقیناً مشرک ہی کے معنی میں ہے۔ اسی طرح قرآن کریم کی دوسری آیت ہے:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (التوبة/ ۹/ ۳۱)

”ان یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا، رب بنالیا اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ انہیں حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ وہ صرف ایک الہ کی عبادت کریں، جس

کے سوا کوئی الہ نہیں، وہ پاک ہے ان چیزوں سے جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔“

یہاں بھی قرآن کے سیاق سے صاف واضح ہو رہا ہے کہ یہود و نصاریٰ کا اپنے علماء کو رب بنالینا اور (عیسائیوں کا) مسیح ابن مریم کو رب بنالینا شرک ہے، اس شرک سے اللہ تعالیٰ پاک ہے اور جب ان کا یہ عقیدہ شرک ہے جس سے اللہ تعالیٰ براءت کا اظہار فرما رہا ہے، تو یہود و نصاریٰ یقیناً مشرک ہوئے۔ اس لئے جب بھی ان کے فسادِ عقیدہ کی بات ہو گی، تو ان کے فاسد عقیدے کو شرک اور خود ان کو مشرک کہا جائے گا، گو اصطلاح یا امتیاز کے طور پر انہیں بالعموم اہل کتاب ہی کے الفاظ سے موسوم کیا جائے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے، جیسے بدکاری کے مرتکب کو زانی، چوری کرنے والے کو چور، ڈاکہ مارنے والے کو ڈاکو کہا جاتا ہے چاہے وہ کوئی بھی ہو، دنیا کے کسی بھی مذہب سے اس کا تعلق ہو۔ اسی طرح جو بھی مشرکانہ عقیدہ و عمل کا حامل اور مرتکب ہو گا، اس کے عقیدہ و عمل کو شرک اور خود اسے مشرک کہا جائے گا، چاہے وہ کوئی بھی ہو اور کسی بھی مذہب سے اس کا تعلق ہو۔

باقی رہا مسئلہ کہ جہالت یا نا سمجھی کی وجہ سے اسے کچھ رعایت مل سکتی ہے یا نہیں؟ اس کی بابت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، یہ اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے، جس کا فیصلہ وہ روز قیامت ہی فرمائے گا۔ علماء کی ذمے داریِ بلاغِ مبین (کھول کر بیان کر دینا) ہے اور اس بلاغِ مبین میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جو عقیدہ یا عمل جیسا ہے، قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کی وضاحت کریں، اس پر تاویلات کا پردہ ڈالیں نہ مصلحت کا نقاب۔ وہ حلال ہے یا حرام، سنت ہے یا بدعت، شرک ہے یا توحید؟ ہر عمل کی وضاحت علماء کا منصبی فریضہ ہے، تاکہ لوگ حلال کو اختیار کریں، حرام سے بچیں، سنت پر عمل کریں، بدعت سے گریز کریں اور شرک سے بچیں اور توحید کا راستہ اپنائیں۔

کیا امت مسلمہ شرک کا ارتکاب نہیں کرے گی؟

ایک اور مغالطے کی وضاحت

ایک اور بات یہ کہی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”مجھے تم سے یہ

اندیشہ نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک کرو گے، البتہ یہ اندیشہ ضرور ہے کہ تم دنیا میں ایک دوسرے کے مقابلے پر، رغبت کرو گے۔“ (صحیح بخاری، الجنائز، باب الصلاة علی الشہید، ج: ۱۳۳۴)

جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد میری امت کے شرک میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہیں، تو اس کا مطلب ہے کہ مسلمان مشرکانہ عقائد و اعمال میں مبتلا ہی نہیں ہوں گے، پھر انہیں مشرک کیوں کر کہا جاسکتا ہے؟

جہاں تک اس فرمانِ رسول کا تعلق ہے، بلاشبہ صحیح ہے۔ اس حدیث کی صحت میں کوئی شک نہیں۔ لیکن اس حدیث کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ امت محمدیہ کا کوئی فرد بھی کبھی شرک کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ کیونکہ دوسری متعدد احادیث میں آپ نے اپنی امت کے افراد کے بھی شرک میں ملوث ہونے کی پیش گوئی فرمائی ہے۔ (ملاحظہ ہو: صحیح بخاری، الفتن، ج: ۱۱۶، صحیح مسلم، الفتن، ج: ۲۹۰۷)

سند کے لحاظ سے یہ روایات بھی صحیح ہیں۔ اب یا تو ان دونوں صحیح روایات میں تعارض تسلیم کیا جائے؟ یا پھر ان کا مطلب ایسا لیا جائے کہ ان کے مابین تعارض نظر نہ آئے۔ ہمارے نزدیک یہ دوسرا نقطہ نظر ہی صحیح ہے، کیونکہ دو صحیح حدیثوں میں حقیقی تعارض ہو ہی نہیں سکتا، جو ظاہری تعارض نظر آتا ہے، وہ اپنی ہی کم فہمی کا نتیجہ ہوتا ہے، حقیقت میں تعارض نہیں ہوتا اور محدثین ان میں ایسی تطبیق دے لیتے ہیں کہ دونوں روایات اپنے اپنے محل میں ٹھیک بیٹھ جاتی ہیں۔

اول الذکر حدیث کی بابت بھی محدثین نے وضاحت فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان صحابہ کرام کے متعلق ہے، یہ آپ نے اپنی ساری امت کی بابت نہیں، بلکہ صرف صحابہ کی بابت فرمایا ہے۔ کہ مجھے ان سے شرک کا اندیشہ نہیں۔ ضمیر خطاب میں خطاب، صحابہ سے ہے، ساری امت سے نہیں۔ اور اگر اسے ساری امت سے متعلق مانا جائے تو مطلب ہو گا کہ ساری امت شرک میں مبتلا نہیں ہوگی، بلکہ اگر کچھ لوگ شرک کریں گے، تو ایک گروہ توحید پر ضرور قائم رہے گا اور اس کی طرف دعوت دے گا۔ چنانچہ اہل توحید و

اہل سنت کا ایک گروہ ایسا چلا آ رہا ہے اور اب بھی ہے کہ وہ مشرکانہ عقائد و اعمال سے پاک اور توحید و سنت پر قائم ہے اور اہل توحید و اہل حق کا یہ گروہ قیامت تک موجود رہے گا۔

دیگر ارشادات رسول کی روشنی میں زیر بحث نکتے کی وضاحت: علاوہ ازیں سدباب کے طور پر نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو بہت سی ایسی تنبیہات فرمائی ہیں جن کا مقصد امت کو شرک سے بچانا اور عقیدہ توحید کی حفاظت کرنا ہے۔ اگر امت مسلمہ کا شرک میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہی نہ ہوتا تو ان تنبیہات اور انسدادی احکام کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ نبی ﷺ کے ان تنبیہی احکام سے بھی اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ انسانی کمزوریوں اور سابقہ امتوں کے طرز عمل کے پیش نظر یقیناً آپ کے سامنے یہ اندیشہ رہا کہ آپ کی امت بھی شرک کی دلدل میں پھنس سکتی ہے۔ چنانچہ اس سے بچنے کے لیے آپ نے حسب ذیل باتوں کی بطور خاص تاکید فرمائی۔

① آپ نے اپنی شان اور مدحت و تعریف میں غلو کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ یہ چیز عقیدت مندوں کو ممدوح کی عبادت کرنے تک پہنچا دیتی ہے۔ جیسے عیسائیوں کے ہاں ہوا، انہوں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی شان میں غلو کیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ دونوں عبد سے معبود بن گئے۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَا تُطَرُّوْنِي كَمَا أَطَرَّتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ، فَقُولُوا: عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ» (صحیح البخاری، احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ﴾، ح: ۳۴۴۵)

”تم مجھے میری حد سے اس طرح نہ بڑھانا جیسے عیسائیوں نے ابن مریم (حضرت عیسیٰ) کو بڑھادیا، پس میں تو صرف اس کا بندہ ہوں، تو تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہنا۔“

② نبی ﷺ نے قبروں کو پختہ کرنے اور ان پر عمارتیں بنانے وغیرہ سے منع فرمایا:

«نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ وَأَنْ يُبْنَى

عَلَيْهِ (صحیح مسلم، الجنائز، باب النهي عن تجصيص القبر... ح: ۹۷۰)

”رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو چونہ گچ (پختہ) کرنے سے، ان پر بیٹھنے سے اور ان پر عمارت تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔“

اسی طرح قبر پر نام وغیرہ لکھنے سے بھی آپ نے منع فرمایا ہے۔ ان چیزوں سے منع کرنے میں بھی حکمت یہی ہے کہ لوگ شرک سے دور رہیں۔ کیونکہ قبروں کو پختہ کرنا یا ان پر قبے وغیرہ بنانا ان کے ناموں کی تختی لگانا یہ صالحین کی یا ان کی قبروں کی تعظیم میں غلو کرنے ہی کا نتیجہ ہے، جو مفنی الی الشرک ہے۔

③ قبروں پر بیٹھنے اور ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے منع فرمایا:

«لَا تُصَلُّوْا إِلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تَجْلِسُوْا عَلَيْهَا» (صحیح مسلم، الجنائز، باب

النهي عن الجلوس على القبر والصلاة عليه، ح: ۹۷۱)

”تم قبروں کی طرف نماز پڑھو اور نہ ان پر بیٹھو۔“

قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے میں بھی اندیشہ شرک پایا جاتا ہے، اسی طرح اگر بیٹھنے سے مراد مجاور بن کر بیٹھنا مراد لے لیا جائے (کیونکہ یہ بھی بیٹھنے میں آ جاتا ہے) تو یہ بھی تعظیم قبور میں غلو کی شکل ہے، جو نہایت خطرناک ہے۔

④ پچھلی امتوں (یسود و نصاریٰ) نے اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کے ساتھ یہی غلو کیا اور انہوں نے قبروں کو عبادت گاہیں بنالیا، جس پر وہ لعنت کے مستحق قرار پائے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا:

«لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»

”اللہ تعالیٰ یسود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا۔“

اس کی راویہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث مذکور بیان کر کے فرماتی ہیں:

«لَوْلَا ذَلِكَ أُبْرِزَ قَبْرُهُ غَيْرَ أَنَّهُ خَشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا» (صحیح

البخاری، الجنائز، باب ما جاء في قبر النبي ﷺ وأبي بكر وعمر رضي الله عنهما،

ح: ۱۳۹۰

”اگر مذکورہ اندیشہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر مبارک ظاہر کر دی جاتی (یعنی اسے کسی کھلی جگہ پر بنایا جاتا) مگر آپ نے اندیشہ محسوس کیا کہ کہیں اسے سجدہ گاہ نہ بنا لیا جائے۔“
ایک دوسری روایت میں آپ نے فرمایا:

«أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيهِمْ مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ، إِنِّي أَنهَاكُمُ عَنْ ذَلِكَ»
(صحیح مسلم، المساجد، باب النهي عن بناء المساجد على القبور ،...، ح: ۵۲۲)

”خبردار! تم سے پہلے جو لوگ تھے، وہ اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیتے تھے، سنو! تم قبروں کو سجدہ گاہیں نہ بنانا۔ میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔“
ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے حبشے میں ایک گرجا دیکھا، جس میں تصویریں تھیں، انہوں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّ أَوْلَئِكَ إِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرِ، فَأُولَئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» (صحیح البخاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، ح: ۴۲۷)

”یہ لوگ، جب ان میں نیک آدمی مر جاتا، تو اس کی قبر پر سجدہ گاہ بنا لیتے اور اس میں اس کی تصویریں رکھ لیتے، یہ لوگ قیامت کے دن اللہ عزوجل کے نزدیک مخلوق میں سب سے بدترین ہوں گے۔“

⑤ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قبر مبارک کے بارے میں خاص طور پر حکم دیا:

«لَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عَيْدًا» (سنن ابی داود، المناسک، باب زیارة القبور، ح: ۲۰۴۲)

”میری قبر کو عید (میلے کی جگہ) نہ بنانا۔“

عید کے لفظی معنی ہیں 'بار بار لوٹ کر آنا۔ مسلمانوں کے دو ملی تہوار ہیں عید الاضحیٰ اور عید الفطر۔ ان کو بھی عید اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ تہوار بھی ہر سال لوٹ لوٹ کر آتے ہیں۔ مطلب نبی ﷺ کا یہ تھا کہ جس طرح مشرکین اپنے بتوں کے سالانہ میلے مناتے ہیں، اسی طرح تم میری قبر پر میلہ نہ لگانا کہ تم ہر سال اس میلے کے نام پر میری قبر پر آؤ اور بعض شارحین نے اس کے معنی کئے ہیں۔

”میری قبر پر زیارت کے لیے اجتماع نہ کرنا جیسے عید پر اجتماع کرتے ہو۔“ (عون المعبود شرح سنن ابی داؤد - ۱۷۱/۲ طبع قدیم)

اس کا مطلب بھی وہی میلوں ٹھیلوں کا اہتمام کرنا ہے۔ اس سے روک دیا گیا ہے، کیونکہ اس سے بھی شرک ہی کی راہ ہموار ہوتی ہے، چنانچہ شاہ ولی اللہ اس حدیث کی بابت فرماتے ہیں:

«هَذَا إِشَارَةٌ إِلَى سَدِّ مَذْخَلِ التَّحْرِيفِ كَمَا فَعَلَ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى بِقُبُورِ أَنْبِيَائِهِمْ وَجَعَلُوا عِيدًا وَمَوْسِمًا بِمَنْزِلَةِ الْحَجِّ» (حجة الله البالغة: ۷۷/۲ طبع مصر)

”اس فرمان سے دین میں تحریف کے دروازے کو بند کرنا مطلوب ہے کہ کہیں یہ امت بھی یہود و نصاریٰ کی طرز پر اپنے بزرگوں کی قبروں کو حج کی طرح موسم اور عید ہی نہ بنا ڈالے۔“

اسی لیے آپ نے اپنی امت کو مذکورہ حکم دینے کے ساتھ ساتھ بارگاہ الہی میں بھی دعا فرمائی:

«اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلَ قَبْرِي وَثَنًا يُعْبَدُ» (مسند احمد: ۲/۲۴۶، والمصنف لابن أبي شيبة: ۳/۳۴۵)

”اے اللہ میری قبر کو ایسا بت نہ بنانا جس کی پوجا کی جائے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ کسی قبر کو خاص قابل تعظیم سمجھنا، بار بار اس کی زیارت کے لیے آنا، یا حاجت برآری کے لیے وہاں حاضری دینا، اس قبر کو بت بنا دینے اور سمجھنے کے

مترادف ہے۔ جیسا کہ بہت سی قبروں کا یہی حال ہم دیکھ رہے ہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

«وَقَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ: اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ "الْحَدِيثَ" دَلِيلًا عَلٰى اَنَّ الْقُبُوْرَ قَدْ تُجْعَلُ اَوْثَانًا وَهُوَ ﷺ خَافَ مِنْ ذَلِكَ فَدَعَا اللّٰهَ اَنْ لَا يَفْعَلَهُ بِقَبْرِ وَاسْتَجَابَ اللّٰهُ دُعَاةُ رَغَمِ اَنْفِ الْمُشْرِكِيْنَ الضَّالِِّيْنَ الَّذِيْنَ يُشَبِّهُوْنَ قَبْرَ غَيْرِهِ بِقَبْرِهِ» (كتاب الرد على الاختناى على هامش "الرد على البكري" ص: ۲۳۴)

”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے ڈر گئے تھے کہ کہیں میری قبر بھی بت نہ بن جائے اور آپ نے اللہ سے دعا کی کہ میری قبر کے ساتھ ایسا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے گم کردہ راہ مشرکین کی خواہش کے علی الرغم، جو دوسرے کی قبر کو آپ کی قبر کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں، آپ کی دعا کو قبول فرمایا۔“

ایک اور مقام پر امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَهُمْ دَفَنُوْهُ ﷺ فِيْ حُجْرَةٍ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا خِلَافَ مَا اعْتَادُوْهُ مِنَ الدَّفْنِ فِي الصَّخْرَاءِ لِثَلَاثًا يُصَلِّيْ اَحَدٌ عِنْدَ قَبْرِهِ وَيَتَّخِذُهُ مَسْجِدًا فَيَتَّخِذُ قَبْرَهُ وَثَنًا (العقود الدرية، ص: ۳۳۸)

”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلاف معمول کسی کھلی جگہ میں دفن کرنے کی بجائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے (چار دیواری) میں اسی لیے دفن کیا گیا تاکہ کوئی شخص آکر وہاں نماز نہ پڑھے اور اسے مسجد نہ بنالے کہ اس طرح آپ کی قبر بت بن جاتی۔“

⑥ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تُشَدُّ الرَّحَالُ اِلَّا اِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ، الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الرَّسُوْلِ ﷺ وَمَسْجِدِ الْاَقْصٰى» (صحيح البخاري، فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، ح: ۱۱۸۹)

”تین مسجدوں۔۔ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔۔ کے سوا کسی بھی جگہ کی طرف

(بغرض ثواب و تقرب الہی) سفر نہ کیا جائے۔“

اس حدیث کی رو سے ان تمام مزارات، مقابر و مشاہد، آستانوں اور درگاہوں کی طرف سفر کرنا ممنوع ہے جہاں لوگ تقرب اور ثواب کی نیت سے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ بھی غیر اللہ کی عبادت کا ذریعہ بنتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

«كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَقْضُونَ مَوَاضِعَ مُعْظَمَةِ بَزْعِمِهِمْ وَيَزُورُونَهَا وَيَسْتَرْكُونَ بِهَا وَفِيهِ مِنَ التَّحْرِيفِ وَالْفَسَادِ مَا لَا يَخْفَى فَسَدَ النَّبِيُّ ﷺ الْفَسَادَ لَثَلًا يَلْتَحِقَ غَيْرُ الشَّعَائِرِ بِالشَّعَائِرِ وَلَثَلًا يَصِيرَ ذَرِيعَةً لِعِبَادَةِ غَيْرِ اللَّهِ وَالْحَقُّ عِنْدِي أَنَّ الْقَبْرَ وَمَحَلَّ عِبَادَةِ وَلِيِّ مَنْ أَوْلِيَاءِ اللَّهِ وَالطُّورَ كُلَّ ذَلِكَ سَوَاءٌ فِي النَّهْيِ» (حجة الله البالغة: ۱/۱۹۲)

”یعنی زمانہ جاہلیت کے لوگ ایسے مقامات پر جاتے تھے جو ان کے گمان میں قابل احترام ہوتے تھے، وہ وہاں ان کی تعظیم و زیارت اور حصول برکت کے لیے جاتے۔ اس میں چونکہ غیر اللہ کی عبادت کا دروازہ کھلتا ہے، اس لیے نبی ﷺ نے بگاڑ کی اس جڑ کو (حکماً) بند کر دیا اور میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ قبر، کسی ولی کی عبادت گاہ اور کوہ طور، حکم ممانعت میں سب برابر ہیں (یعنی سب کی طرف تقریبی سفر ممنوع ہے۔)“

⑦ نبی کریم ﷺ نے کسی ایسی جگہ نذر کا جانور ذبح کرنے سے منع فرمایا، جہاں پہلے غیر اللہ کے نام کے جانور ذبح ہوتے رہے ہوں یا وہاں کوئی میلہ منایا جاتا رہا ہو۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا ”میں نے نذر مانی ہے کہ میں بوانہ جگہ میں اونٹ ذبح کروں گا۔ آپ نے پوچھا، کیا وہاں زمانہ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی؟ لوگوں نے بتلایا، نہیں۔ پھر آپ نے پوچھا کہ وہاں ان کی عیدوں میں سے کوئی عید تو نہیں منائی جاتی تھی؟ لوگوں نے اس کی بھی نفی کی۔ تو آپ نے سائل کو نذر پوری کرنے کا حکم دیا۔“ (ابوداؤد، الایمان والنذور)

ایسی جگہوں پر نذر کے جانور ذبح کرنے سے روکنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ ایسی جگہوں کا یا باطل معبودوں کا کوئی تقدس لوگوں کے ذہنوں میں راسخ نہ ہو، کیونکہ ایسا تقدس بھی شرک کا ذریعہ بنتا ہے۔

⑧ نبی اکرم ﷺ نے ایسے الفاظ استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے جن میں اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان برابری کا تصور یا شائبہ ہو۔ جیسے ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: «لَا تَقُولُوا: مَا شَاءَ اللَّهُ وَشَاءَ فُلَانٌ، وَلَكِنْ قُولُوا: مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ شَاءَ فُلَانٌ» (سنن ابی داود، الأدب، باب (بعد باب لا یقال خبث نفسی)، ح: ۴۹۸۰ وصححه الألبانی فی تعلیقات المشکوۃ: ۱۳۴۹/۳)

”اس طرح مت کہو (وہ ہو گا) جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے، بلکہ یہ کہو، جو اللہ چاہے پھر فلاں چاہے۔“

یعنی ہر کام صرف اللہ کی مشیت ہی سے ہوتا ہے، اس کی مشیت میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ اس لیے اس کی مشیت میں کسی کو شریک مت کرو۔ (اس میں شرک یا شائبہ شرک ہے) البتہ اللہ کی مشیت کے بعد پھر کسی دوسرے کی مشیت کا اظہار کرنا جائز ہے، کیونکہ اس میں شرک کا شائبہ نہیں ہے، اس لیے کہ یہ دوسری مشیت، اللہ کی مشیت کے تابع ہے، جبکہ پہلی صورت میں اللہ کی مشیت اور بندے کی مشیت میں برابری پائی جاتی ہے۔ جیسے لوگ لکھتے اور کہتے ہیں: ”اللہ نبی وارث“ یہ شرکیہ کلمہ ہے، کیونکہ اس میں بھی نبی کو اللہ کے ساتھ برابری کی سطح پر ملا دیا ہے۔ حالانکہ اللہ کی میراث کی صراحت تو قرآن مجید میں مذکور ہے۔

﴿وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (آل عمران ۱۸۰/۳)

”اور اللہ ہی کے لیے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی۔“

کیا مطلب؟ اس کا مطلب ہے آسمان اور زمین کی ہر چیز فنا ہو جائے گی اور باقی صرف اللہ رہ جائے گا جو ان سب کا وارث ہے۔ جیسے مرنے والا مرجاتا ہے اور اس کی تمام چیزوں کے وارث وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس کی اولاد میں سے یا قریبی رشتے داروں میں سے باقی

(زندہ) ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے جب ایک شخص کہتا ہے۔ اللہ وارث ہے۔ تو اس کا مطلب 'اللہ کی بقاء اور اس کے دوام کا اظہار ہے' جو ایک صحیح بات اور صحیح جملہ ہے۔ لیکن جب یہ کہا جائے کہ اللہ نبی وارث ہے۔ تو اس میں عقیدے کا فساد شامل ہو جاتا ہے 'اس کا مطلب' اللہ کے ساتھ اللہ کے نبی کا بھی دوام اور بقاء ہے۔ جو یکسر غلط ہے 'اس لیے کہ نبی ﷺ تو مخلوق ہیں اور آپ موت سے ہم کنار ہو کر اس دنیا سے جا چکے ہیں۔ اب آپ کو ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرح زندہ اور باقی رہنے والا ماننا 'شرک ہے۔ بقاء اور دوام صرف اللہ کی صفت ہے 'یہ کسی مخلوق کی صفت نہیں ہو سکتی۔

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَيَبْقَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿٢٧﴾﴾

(الرحمن ۵۵/۲۶-۲۷)

قرآن کریم کی ان دونوں آیات کا مطلب یہی ہے کہ دنیا کی ہر چیز فانی ہے 'بقاء اور دوام صرف اللہ کو حاصل ہے اور اس اعتبار سے ہر چیز کا وارث اور مالک صرف اللہ ہے 'اللہ کے سوا کوئی حقیقی وارث اور مالک نہیں۔ سب کی وراثت اور ملکیت عارضی اور فانی ہے 'مرنے کے بعد کوئی وارث ہے نہ مالک۔ اللہ کے لیے موت اور فنا نہیں 'اسی لیے وہ سب کا وارث اور مالک ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

«لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ زَاكِرَاتِ الْقُبُورِ وَالْمُتَّخِذِينَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ

وَالشُّرُجَ» (سنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب في زيارة النساء القبور،

ح: ۳۲۳۶)

”رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں کے اوپر

مسجدیں بنانے والوں پر اور ان پر چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔“

نبی ﷺ کا یہ فرمان بھی اپنی امت کو شرکیہ امور سے بچانے ہی کے لیے ہے۔ عورتوں کا کثرت سے قبروں پر جانا، اسی طرح قبروں پر مسجدیں بنانا اور قبروں پر چراغ جلانا، یہ سارے کام انہی لوگوں میں رائج ہیں جو مشرکانہ عقائد و اعمال میں مبتلا ہیں، اسی لیے وہ

مذکورہ حدیث کو کوئی اہمیت نہیں دیتے جس میں مذکورہ کاموں کو لعنتی قرار دیا گیا ہے۔ جن کاموں کے مرتکبین پر اللہ کے رسول لعنت فرمائیں ان کی شناعیت و قباحت، محتاج وضاحت نہیں رہتی۔ لیکن اس امت کی ڈھٹائی اور بے شرمی بھی قابل تعجب ہے کہ وہ مذکورہ تمام کام بڑے فخر سے کرتی ہے۔ فنعوذ باللہ من هذا۔

⑩ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَادْعُوا الصَّلَاةَ حَتَّى تَبْرُزَ وَإِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَادْعُوا الصَّلَاةَ حَتَّى تَغِيبَ» (صحیح البخاری، بدء

الخلق، باب صفة إبليس وجنوده، ح: ۳۲۷۲)

”جب سورج کی ٹکیہ کا کنارہ طلوع ہونے لگے تو نماز چھوڑ دو، یہاں تک کہ وہ ظاہر (بلند) ہو جائے اور جب سورج کی ٹکیہ کا کنارہ غائب (غروب) ہونے لگے تو نماز چھوڑ دو، یہاں تک کہ وہ (اچھی طرح) غائب ہو جائے۔“

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے سورج کے طلوع اور غروب ہونے کے اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ کیوں؟ اس کی وجہ خود نبی ﷺ نے یہ بیان فرمائی ہے:

«فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ» (المصدر السابق، ح: ۳۲۷۳)

”اس لیے کہ وہ (سورج) شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔“

اس کا مطلب شارحین نے یہی بیان کیا ہے کہ جب سورج طلوع ہونے لگتا ہے تو شیطان اس کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے تاکہ سورج اس کے منہ کے سامنے سے نکلے اور غروب شمس کے وقت بھی وہ ایسا ہی کرتا ہے تاکہ غروب بھی اس کے منہ کے سامنے ہو۔ شیطان ایسا کیوں کرتا ہے؟ اس لیے کہ ان دونوں اوقات میں سورج کے پجاری سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور جب شیطان ان دونوں اوقات میں اس کے سامنے آکھڑا ہوتا ہے تو سجدہ بھی اسی شیطان کو ہوتا ہے۔ یوں سورج کے پجاری شیطان کو سجدہ کرتے ہیں۔ (فتح الباری، باب مذکور)

گویا سورج کے طلوع اور غروب ہونے کے دونوں اوقات، سورج کے پجاریوں کے

اوقاتِ عبادت ہیں، ان اوقات میں نبی ﷺ نے مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے منع فرمادیا، حالانکہ مسلمان تو نماز صرف اللہ کے لیے پڑھتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان اوقات میں نماز پڑھنے میں سورج کے پجاریوں کے ساتھ مشابہت ہے، اس لیے ان اوقات میں مسلمانوں کو نماز پڑھنے ہی سے روک دیا گیا۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کو شرک سے بچانے کے لیے کتنے دور دور تک بند باندھے گئے ہیں۔ لیکن نام کے مسلمانوں نے مذکورہ تعلیمات و ہدایات کا کیا حشر کیا؟ وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

مذکورہ تعلیمات کے مقابلے میں فاسد العقیدہ لوگوں کا طرزِ عمل: [1] رسول اللہ ﷺ نے اپنی شان میں حد سے زیادہ غلو اور عیسائیوں کی طرح افراطِ محبت سے روکا۔ لیکن فاسد العقیدہ لوگوں نے ایک تو عیسائیوں کے عقیدے، مسیح ابن اللہ کے مقابلے میں نور من نور اللہ کا عقیدہ گھڑ لیا اور اس کے اثبات کے لیے ایک حدیث بھی گھڑ لی جو حدیث جابر کے نام سے مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے نور میں سے نبی ﷺ کا نور پیدا کیا اور پھر اس نور سے عرش و قلم اور کائنات کی ہر چیز پیدا کی (نعوذ باللہ من ذلک) حالانکہ کسی حدیث کی کتاب میں یہ حدیث نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ذیل کے اشعار سے بھی ان کا فسادِ عقیدہ اور غلو محبت واضح ہے، ذرا سینے پر ہاتھ رکھ کر ملاحظہ فرمائیے!

وہی جو مستوی، عرش تھا خدا ہو کر اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر شریعت کا ڈر ہے نہیں صاف کہہ دوں حبیب خدا خود خدا بن کے آیا ہمارا نبی تو بشر ہی نہیں خدا ہے، تجھے کیا خبر ہی نہیں مقام اس نبی کا عرش بریں ہے خدا نہ کہے جو، وہ کافر لعین ہے کیا فرق ہے عزیز و حضرت میں اور خدا میں وہ بھی الہ ہے یارو، یہ بھی الہ ہے یارو اور یہ غلو صرف نبی کریم ﷺ ہی کے بارے میں نہیں کیا گیا، بلکہ اس سے بڑھ کر بہت سے فوت شدہ بزرگوں کے بارے میں بھی کیا گیا ہے۔ یہ بھی ملاحظہ ہوں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی کے بارے میں کہا گیا۔

اول محی الدین آخر محی الدین ظاہر محی الدین باطن محی الدین
 أنت شانی أنت کافی فی مهمات الامور أنت حسی أنت ربی أنت لی نعم الوکیل
 یا غوث اعظم بہر خدا سن عرض میں بدکار دی تہہ باجھ میرا کون ہے لے سار جو بیمار دی
 المدد یا غوث اعظم المدد یا دست گیر تیری نگاہ درکار رہے پیران پیر
 صدر الدین سجادہ نشین ملتان کے بارے میں۔

برائے چشم بینا از مدینہ بر سر ملتان بہ شکل صدر الدین خود رحمۃ للعالمین آمد
 خواجہ غلام فرید مٹھن کوٹ کے فرزند نازک کے بارے میں:
 طالب خدا گواہ کہ نازک بہ چشم من عین محمد است کہ عربی شنیدہ
 اور خود خواجہ غلام فرید کے بارے میں چند اشعار ملاحظہ ہوں:

میری لاکھ جانیں قربان اس پر جو یثرب سے چاچڑ نشیں بن کے آیا
 چاچڑ دانگ مدینہ دے کوٹ مٹھن بیت اللہ ظاہر دے وچ پیر فریدن باطن دے وچ اللہ
 جو مشتاق نظارہ ہو، میرے خواجہ کو آدیکھے عیاں نشانِ خدائی ہے، فقط پردہ ہے انسان کا
 ایک اور صاحب اپنے پیر و مرشد کے بارے میں کہتے ہیں۔

اٹھا پھر درد سینے میں مگر اس کی دوا تم ہو نہ ہوتا ڈر قیامت کا تو کہہ دیتا خدا تم ہو
 یہ سب اشعار ہم نے مولانا محمد رفیق خاں پسروری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”حمایت توحید“
 (مطبوعہ ۱۹۷۰ء) سے نقل کئے ہیں۔

ان اشعار سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ غلو جس سے پچھلی قومیں گمراہ ہوئیں اور ان
 کے اندر توحید کی جگہ شرک آیا، کیا وہ غلو اس امت کے اندر نہیں آیا اور وہی مشرکانہ
 خیالات و عقائد ان کے اندر بھی پیدا نہیں ہوئے؟

[2] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ کرنے سے منع فرمایا۔ لیکن مذکورہ قسم کے لوگوں نے
 نہ صرف قبروں کو پختہ کیا، بلکہ ان پر شاندار عمارتیں اور قبے تعمیر کئے۔

[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے اور انہیں سجدہ گاہ
 بنانے سے روکا اور ایسے لوگوں پر لعنت فرمائی۔ لیکن ان لوگوں نے قبروں کو سجدہ گاہ بنا کر

چھوڑا۔ چنانچہ لوگ وہاں سجدے بھی کرتے ہیں، قبروں پر دست بستہ قیام بھی کرتے ہیں، قبروں کا طواف بھی کرتے ہیں، قبر میں مدفون شخص سے امید و استغاثہ بھی کرتے ہیں، خانہ کعبہ کی طرح قبروں کو عرق گلاب سے دھوتے اور اس کی دھوون کو اکسیر اور مقدس جانتے ہیں، قبروں پر غلاف چڑھاتے اور ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب کام عبادات ہیں۔

[4] قبروں کو عید (یعنی میلے ٹھیلے کی جگہ) بنانے سے نبی ﷺ نے روکا، لیکن لوگ قبروں پر عرس کے نام سے سالانہ میلے لگاتے ہیں، جہاں شرک و بدعت کی گرم بازاری بھی ہوتی ہے اور حیا باختگی اور فحاشی کی بھی۔

[5] ان عرسوں پر لوگ دور دراز سے شد رحال کر کے آتے ہیں اور ان میں شرکت کو اجر و ثواب اور تقرب کا باعث سمجھتے ہیں، حالانکہ نبی ﷺ نے مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ کسی اور جگہ بغرض تقرب، شد رحال (سفر اختیار کرنے) سے منع فرمایا ہے۔

[6] کئی جگہ ان قبروں کا طواف تک کیا جاتا ہے اور کئی جگہ ان قبروں پر اجتماع کو حج کے برابر سمجھا جاتا ہے۔

[7] نبی ﷺ نے قبروں پر کتبہ (نام لکھ کر) لگانے سے منع فرمایا ہے، لیکن لوگ ان قبروں پر نہ صرف ناموں کے بڑے بڑے بورڈ لگاتے ہیں بلکہ ان میں ان کی تعریفوں میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں جو اطراء (بے حد مدحت و تعریف) میں آتے ہیں جس کی نبی ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے۔

[8] ان قبروں پر نذر و نیاز کا بھی ایک وسیع سلسلہ ہوتا ہے اور اس کا مقصد ان فوت شدہ لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنا اور اپنی حاجات ان سے پوری کروانا ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ بھی ایسی عبادت ہے جو صرف ایک اللہ کا حق ہے۔ اسی لیے اللہ کے سوا کسی کے نام کی نذر و نیاز دینا جائز نہیں۔

[9] ان قبروں پر چراغ جلانے کو بڑی سعادت سمجھا جاتا ہے، حالانکہ نبی ﷺ نے ایسے

لوگوں پر بھی لعنت فرمائی ہے۔

الغرض ان قبروں پر تمام مذکورہ کاموں کے ذریعے سے، جن سے نبی ﷺ نے روکا تھا، لات و منات کا کاروبار فروغ پذیر ہے۔ اقبال نے سچ کہا تھا۔

اگرچہ پیر ہے آدم، جواں ہیں لات و منات

مذکورہ امور کو دیکھتے ہوئے کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ امت، شرکیہ عقائد و اعمال سے پاک ہے؟ یا مذکورہ امور مشرکانہ نہیں ہیں؟ آخر ان میں سے کون سی بات صحیح ہے؟ دونوں ہی باتیں صحیح نہیں ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی امت کو شرک سے بچانے کے لیے جو احتیاطی تدابیر بیان فرمائی تھیں اور جو جو بند تعمیر کئے تھے۔ اس امت نے ان تدابیر کو کوئی اہمیت دی ہے نہ ان بندوں ہی کی حفاظت کی ہے۔ بلکہ ان سب احتیاطی تدابیر کی خلاف ورزی کر کے اور سب حفاظتی بندوں کو توڑ کر نبی ﷺ کی اس پیش گوئی کو پورا کر دیا ہے:

«لَتَبْعَنَّ سَنَنْ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتَّىٰ لَوْ سَلَكَوْا
جُحَرَ ضَبٍّ لَّسَلَكَتُمُوهُ، قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى؟
قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَمَنْ؟» (صحیح البخاری، أحادیث الأنبياء، ما ذکر عن نبی

إسرائيل، ح: ۳۴۵۶)

”تم ضرور پچھلے لوگوں کی قدم بہ قدم پیروی کرو گے، حتیٰ کہ وہ اگر سانڈے کے بل میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی ضرور اس میں داخل ہو گے۔ ہم (صحابہ) نے کہا: اللہ کے رسول! پچھلے لوگوں سے آپ کی مراد، یہود و نصاریٰ ہیں؟ آپ نے فرمایا: اور کون؟ (یعنی یہود و نصاریٰ ہی مراد ہیں۔)“



ما فوق الاسباب اور ماتحت الاسباب مدد مانگنے کا مطلب

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ» (جامع الترمذی،

صفة القيامة، باب حدیث حنظلة، ح: ۵۲۱۶)

”جب تو سوال کرے تو اللہ سے سوال کر اور جب مدد مانگے تو اللہ سے مدد مانگ۔“

یعنی انسان کو جب ایسی کسی چیز کی حاجت ہو جو ظاہری اسباب سے پوری ہونے والی نہ ہو یا اس کی دسترس میں نہ ہو تو انسان وہ چیز صرف اللہ سے مانگے، اسی سے دعا و التجا کرے۔ اس لئے کہ ما فوق الاسباب طریقے سے دعاؤں کا سننے والا اور اسباب کے بغیر کسی کی حاجت پوری کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، اس کے سوا کسی کے اندر یہ قوت و طاقت نہیں ہے۔ اسباب کے ماتحت تو انسان ایک دوسرے کی مدد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں، اس لئے اسباب کی حد تک ان سے سوال کرنا بھی جائز ہے جیسے کسی زندہ انسان سے ایک شخص کوئی چیز مانگے، تو وہ سننے پر بھی اور اس کی حاجت پوری کرنے پر بھی قادر ہے، اور اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ہے کہ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾ (المائدہ: ۲) یہی مدد انبیاء علیہم السلام نے بھی اللہ کے بندوں سے مانگی، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ﴾ ”اللہ کی طرف لوگوں کو بلانے میں کون میری مدد کرنے والا ہے؟“ حواریوں نے کہا: ﴿نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ﴾ (آل عمران: ۵۲) ”ہم اللہ کے مددگار ہیں“ (یعنی اللہ کی طرف بلانے میں آپ کی مدد کرنے والے ہیں) نبی کریم ﷺ کی بابت بھی آتا ہے کہ دس سالہ مکی دور میں جب کہ تبلیغ اسلام میں قدم قدم پر رکاوٹیں اور مخالفتیں تھیں، حج کے موسم میں آپ مختلف قبائل عرب پر اسلام پیش کرتے اور ان سے اپنی قوم (قریش) سے بچاؤ کے لئے مدد بھی طلب فرماتے اور یہ استدعاء کرتے کہ کوئی

ایسا ہے جو مجھے پناہ دے اور میری مدد کرے تاکہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا سکوں؟ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ بیان فرماتے ہیں:

«مَكَثَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَشَرَ سِنِينَ يَبْعُ النَّاسَ فِي مَنَازِلِهِمْ بِعُكَاظٍ وَمَجَنَّةٍ فِي الْمَوَاسِمِ بِمَنْى يَقُولُ مَنْ يُؤْوِنُنِي، مَنْ يَنْصُرُنِي حَتَّى أُبَلِّغَ رِسَالَةَ رَبِّي وَلَهُ الْجَنَّةُ» (الفتح الرباني: ۲۰/۲۶۹)

”رسول اللہ ﷺ مکے کے دس سالہ دورِ قیام میں موسمِ حج میں، بمقامِ منیٰ لوگوں کی قیام گاہوں، عکاظ اور مجنہ میں لوگوں کے پیچھے جاتے اور فرماتے: کون ہے جو مجھے جگہ (پناہ) دے؟ کون ہے جو میری مدد کرے؟ تاکہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا سکوں، اس کے بدلے اس کے لئے جنت ہے۔“

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ اسی طرح فرما رہے تھے، کون ہے جو مجھے اپنی قوم کے پاس لے جائے کیونکہ قریش مجھے اس بات سے روکتے ہیں کہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچاؤں؟ تو ہمدان قبیلے کا ایک شخص آپ کے پاس آیا، آپ نے اس سے پوچھا، «هَلْ عِنْدَ قَوْمِكَ مِنْ مَتَاعٍ؟» کیا تیری قوم کے اندر حفاظت و نگرانی کرنے والے لوگ ہیں؟ (الفتح الربانی: ۲۰/۲۶۷) بیعت عقبہ ثانیہ، جس میں ۷۲ آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی، اس بیعت میں دیگر باتوں کے ساتھ ایک عہد یہ تھا:

«وَعَلَى أَنْ تَنْصُرُونِي فَتَمْنَعُونِي إِذَا قَدِمْتُ عَلَيْكُمْ مَا تَمْنَعُونَ مِنْهُ أَنْفُسَكُمْ وَأَزْوَاجَكُمْ وَأَبْنَاءَكُمْ» (الفتح الربانی: ۲۰/۲۷۰)

”اور یہ کہ جب میں تمہارے پاس آؤں گا تم میری مدد کرو گے اور میری طرف سے اسی طرح مدافعت کرو گے، جیسے تم اپنی جانوں، اپنی بیویوں اور اپنے بیٹوں کی طرف سے مدافعت کرتے ہو۔“

اس تفصیل سے مقصد اس پہلو کی وضاحت کرنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سمیت تمام انسان ظاہری اسباب کی حد تک ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور ایک دوسرے کے تعاون کے بغیر زندگی گزار ہی نہیں سکتے۔ اس لئے اسباب کے ماتحت ایک دوسرے سے سوال کرنا، ایک

دوسرے سے مدد مانگنا اور چیز ہے اور ماورائے اسباب طریقے سے سوال کرنا اور مدد مانگنا اور چیز ہے۔

پہلی صورت نہ صرف جائز ہے بلکہ ناگزیر ہے، جب کہ دوسری صورت صرف اللہ کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ کوئی انسان بھی ماورائے اسباب طریقے سے نہ کسی کی بات سن سکتا ہے اور نہ مدد کر سکتا ہے۔ یہ صفات صرف اللہ کے اندر ہیں، اللہ کے سوا کوئی ان صفات کا حامل نہیں، حدیث مذکور الصدر میں پہلی صورت کا نہیں، بلکہ دوسری صورت کا ذکر ہے۔ یعنی ماورائے اسباب طریق سے سوال کرنا ہو تو صرف اللہ سے کرو، مدد مانگنی ہو تو صرف اللہ سے مانگو، کیونکہ دور اور نزدیک سے ہر ایک کی فریاد وہی سن سکتا ہے اور وہی ہر ایک کی مدد کر سکتا ہے، فوت شدہ افراد کسی کی فریاد سن سکتے ہیں نہ مدد کر سکتے ہیں۔



لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا مطلب

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے معنی و مفہوم پر گزشتہ صفحات میں قدرے تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے۔ ذیل کے مضمون میں بھی اسی نکتے پر بحث ہے، لیکن یہ کئی سال قبل کا تحریر کردہ ہے اور مختصر ہے۔ اس لیے تکرار کے باوجود قد مکرر کے طور پر اسے بھی شامل کیا جا رہا ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کلمہ توحید ہے، اس میں توحید الوہیت کا اقرار ہے، جس کا انکار ہر دور کے مشرکین کا شیوہ رہا ہے۔ مشرکین یہ تو مانتے آئے ہیں اور مشرکین مکہ بھی مانتے تھے کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا، سب کو روزی عطا کرنے والا ہے۔ کائنات کی تنظیم و تدبیر کرنے والا وہی رب ہے جو آسمانوں میں ہے۔ اسے توحید ربوبیت کہتے ہیں، اس توحید ربوبیت کو سب تسلیم کرتے ہیں، لیکن توحید الوہیت سے وہ انکار کرتے تھے، حالانکہ توحید الوہیت، توحید ربوبیت کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے، جب آسمان و زمین کا خالق، مالک، سب کا رازق اور کائنات کا مدبر صرف ایک اللہ ہے، اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے، تو پھر عبادت کا مستحق بھی صرف وہی ایک ہے، اس میں دوسرے کی شرکت کو وہ کیونکر برداشت کر سکتا ہے؟ لیکن مشرکین توحید الوہیت کو نہیں مانتے۔ وہ اللہ کی عبادت کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کرتے ہیں۔

عبادت کے معنی ہیں، کسی صاحب قدرت ہستی کے سامنے انتہائی تذلل اور عاجزی کا اظہار کرنا۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں، اس کی بارگاہ اقدس میں سر بہ سجود ہونا، اس کے سامنے تعظیم کھڑا ہونا، اس کے لئے رکوع کرنا، اس کے لئے طواف کرنا، اس کے نام کی نذر و نیاز دینا، اس کی خوشنودی کے لئے جانور ذبح کرنا، اس سے مافوق الاسباب طریقے سے امیدیں وابستہ کرنا اور ڈرنا، اس کے لئے نماز پڑھنا، روزے رکھنا، اس سے دعائیں اور التجائیں کرنا۔ یہ سب عبادت کی قسمیں ہیں اور کلمہ توحید کے اقرار کا تقاضا یہ ہے کہ ان

میں سے کوئی کام بھی اللہ کے سوا کسی کے لئے نہ کیا جائے، ورنہ عبادت میں شرک لازم آئے گا۔

بد قسمتی سے بہت سے پیدائشی مسلمان، جنہیں دین کا صحیح شعور اور توحید کے حقیقی مفہوم کا علم نہیں، وہ صرف سجدہ کرنے کو شرک سمجھتے ہیں، اس لئے وہ غیر اللہ کو سجدہ تو نہیں کرتے (اور بعض جاہل تو سجدہ بھی کر لیتے ہیں) لیکن دوسرے سارے کام وہ غیر اللہ کے لئے کر لیتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ ہم تو مسلمان ہیں ہم مشرک کس طرح ہو سکتے ہیں؟ چنانچہ وہ غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز بھی دیتے ہیں، بزرگوں کی خوشنودی کے لئے جانور بھی ذبح کرتے ہیں اور دیگیں بھی تقسیم کرتے ہیں، ان کی قبروں کے گرد طواف بھی کرتے ہیں، عاجزی و ذلت کے اظہار کے لئے ان کی قبروں پر تعظیماً صف بستہ کھڑے بھی ہوتے ہیں۔ ان سے دعائیں اور التجائیں بھی کرتے ہیں، ان سے امیدیں بھی وابستہ کرتے اور ڈرتے بھی ہیں، قبروں میں مدفون بزرگوں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر انہیں مدد کے لئے پکارتے بھی ہیں، انہیں نافع، ضار اور عالم الغیب بھی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب کام عبادات ہیں اور یہ نام نہاد مسلمان انہیں غیر اللہ کے لئے بجالا کر شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اعازنا اللہ منھا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، زبان سے تو پڑھتا ہے لیکن اس کے مفہوم سے قطعاً نا آشنا ہے، اس لئے وہ مشرکین مکہ کی طرح توحید ربوبیت کو تو تسلیم کرتا ہے، لیکن توحید الوہیت کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو توحید ربوبیت کے ماننے کے باوجود انہیں مشرک قرار دیا۔ کیوں؟ صرف اسی لئے کہ وہ توحید الوہیت کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ بنا بریں توحید الوہیت کو ماننا نہایت ضروری ہے جو کلمہ توحید لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ میں بیان کی گئی ہے۔ اس کے بغیر توحید ربوبیت پر اعتقاد کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ صرف اس سے توحید کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔

اس کلمہ توحید کی یہی اہمیت ہے جس کی وجہ سے اسے سب سے زیادہ فضیلت والا ذکر قرار دیا گیا ہے۔ اس کی مثل کوئی اور کلمہ نہیں، یہی کفر و اسلام اور شرک و توحید کے

درمیان فرق کرنے والا ہے، یہی کلمہ انسانوں کو اللہ سے جوڑنے والا اور غیروں سے توڑنے والا ہے۔ یہی انسان کے نفس کا سب سے بہتر تزکیہ کرنے والا اور اس کے باطن کی صفائی کرنے والا ہے اور یہی سب سے زیادہ خبث نفس سے پاک کرنے والا اور دل کو شیطان کی آماجگاہ بننے سے بچانے والا ہے۔ کاش مسلمان اس کلمہ توحید و اخلاص کی حقیقت و اہمیت کو سمجھ سکیں اور اپنے عقیدہ و عمل کو اس کے مطابق کر سکیں۔



باب: چہارم

استدلالات اور ان کا جائزہ

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ میں إِيَّاكَ (مفعول) کے مقدم کرنے میں جو حصر کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے، اس سے جہاں اس بات کا اثبات ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت جائز نہیں۔ وہاں دوسروں کی عبادت کی نفی بھی ہوتی ہے۔ یوں گویا کلمہ شہادت «لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ» کے معنی کا تحقق ہو جاتا ہے۔ اس کلمے میں بھی اثبات اور نفی دونوں چیزیں موجود ہیں۔ اللہ کی عبادت کا اثبات اور غیر اللہ کی نفی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اکثر مقامات پر ان دونوں باتوں کو ساتھ ساتھ بیان فرمایا ہے۔ مثلاً سورۃ بقرہ کے آغاز میں فرمایا:

﴿اعْبُدُوا رَبَّكُمْ﴾ (البقرہ ۲/۲۱)

”اپنے رب کی عبادت کرو۔“

تو اس کے ساتھ ہی فرمایا:

﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا﴾ (البقرہ ۲/۲۲)

”تم اللہ کے شریک نہ ٹھہراؤ۔“

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا

الطَّاغُوتَ﴾ (النحل ۱۶/۳۶)

”ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (جس نے یہ پیغام دیا) کہ اللہ کی عبادت کرو اور

طاغوت سے بچو۔“ ---

”اللہ کی عبادت کرو۔“ میں اثبات ہے اور ”طاغوت سے بچو“ میں غیر اللہ کی نفی ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ
الْوُثْقَىٰ﴾ (البقرة ۲/۲۵۶)

”جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا، اس نے مضبوط کڑا تھام لیا۔“

اس میں بھی طاغوت کا انکار کرنا، نفی ہے اور اللہ پر ایمان لانا، اثبات ہے۔ اس طرح اور بھی متعدد مقامات پر یہی بات بیان کی گئی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اثبات توحید کے ساتھ معبودان باطلہ کی نفی اور ان کی تردید بھی نہایت ضروری ہے۔

اسی لئے گزشتہ صفحات میں ہم نے بعض مغالطوں کی وضاحت بھی کی ہے، تاہم ضروری ہے کہ اس مقام پر ان دیگر دلائل کا بھی جائزہ پیش کیا جائے جو بعض حلقوں کی طرف سے مشرکانہ عقائد و اعمال کے جواز و اثبات میں پیش کئے جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں شرکیہ عقیدے اور شرکیہ اعمال و مظاہر، اسلامی ممالک میں عام ہیں اور علماء و مشائخ کے ایک بہت بڑے طبقے کے دنیوی مفادات چونکہ ان سے وابستہ ہیں، اس لیے علماء کا یہ طبقہ کسی نہ کسی طریقے سے ان کو سند جواز دینے پر تیار رہتا ہے اور اس کے لئے وہ عجیب عجیب دلائل اور بے سروپا روایات و حکایات سے استدلال کرتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ان دلائل کی حقیقت واضح کی جائے تاکہ توحید کے اس مسئلے میں، جس کو قرآن کریم نے نہایت شرح و بسط سے بیان کیا ہے اور اسے تمام انبیاء کی بعثت کا مقصد وحید بتلایا ہے، کوئی ابہام یا اشکال باقی نہ رہے۔

﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾

(الأنفال ۸/۴۲)

”تاکہ جو مرے بصیرت پر (یعنی یقین جان کر) مرے اور جو جیتا رہے، وہ بھی بصیرت پر

(یعنی حق پہچان کر) جیتا رہے۔“

① کیا بزرگانِ دین کو مدد کے لئے پکارنا شرک نہیں ہے؟

ایک دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کو فاعلِ حقیقی تسلیم کرتے ہوئے بزرگانِ دین کو وسیلہ امداد اور مظہرِ اعانتِ الہی قرار دیتے ہوئے ان سے استغاثہ کرنا اور ان کو امداد کے لئے پکارنا جائز ہے۔ یہ پکارنا شرک نہیں ہے البتہ ان کی عبادت و پرستش کرنا شرک ہے۔“ بلاشبہ مطلقاً پکارنا شرک نہیں ہے، ہم اپنے بچے کو پکار کر بلاتے ہیں، کسی دوست کو آواز دیتے ہیں اور کسی کو زور سے ندا دیتے ہیں۔ یہ شرک نہیں ہے اور نہ یہ پکارنا مابہ النزاع ہے۔ مابہ النزاع پکارنا (جو شرک کی ایک صورت ہے) وہ ہے جو لوگ مردہ (قبروں میں مدفون) لوگوں کو مافوق الاسباب طریق سے پکارتے ہیں۔ جیسے: یا شیخ عبد القادر! شیئا للہ! یا رسول اللہ! اغثننا! یا علی مدد وغیرہ۔ یہ پکارنا شرک ہی کے ذیل میں آتا ہے کیوں کہ پکارنے والا ان کی بابت یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ہزاروں میل کے فاصلے کے باوجود یہ فوت شدہ بزرگ میری آواز کو سنتا ہے، میرے حالات سے باخبر ہے۔ وہ حاضر و ناظر ہے اور کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار رکھتا ہے اسی لئے یہ شخص اس بزرگ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس کے نام کی نذر دیتا ہے۔ اس کے نام پر جانور قربان کرتا ہے، اس کی قبر پر غلاف چڑھاتا ہے اور اس کی ناراضی سے ڈرتا ہے۔ اس کا اعتقاد ہوتا ہے کہ اگر میں نے گیارہویں نہ دی (یعنی اس بزرگ کے نام کی نیاز نہ دی) تو وہ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے، میرے کاروبار کو نقصان پہنچائیں گے۔ حالانکہ عالم الغیب، نافع و ضار، حاضر و ناظر اور متصرف فی الامور، صرف اللہ کی ذات ہے اور یہ تمام صفات اللہ کے لئے خاص ہیں، جن میں اس کا کوئی شریک نہیں لیکن یا علی مدد، یا شیخ عبد القادر! شیئا للہ وغیرہ پکارنے والا یہ تمام صفات خداوندی اس مردہ بزرگ میں تسلیم کرتا ہے اور اس بزرگ کو ان الہی صفات میں شریک مانتا ہے۔

اس عقیدے کے ساتھ کسی بھی مردہ شخص کو پکارنا، یہی اس کی عبادت و پرستش ہے۔ اسی کو قرآن نے ﴿يَدْعُونَ﴾ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جس کے معنی سب کے نزدیک

”عبادت و پوجا“ کرنے کے ہیں۔ یہ حضرات، عوام کو باور کراتے ہیں کہ ہم تو بزرگوں کو صرف پکارتے ہیں، ان کی عبادت و پرستش نہیں کرتے حالانکہ اس طرح مافوق الاسباب طریقے سے کسی کو پکارنا، یہی اس کی عبادت ہے۔ اسی لئے دُعا ”پکارنا“ بھی بلا اختلاف عبادت ہی سمجھی جاتی ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«الِدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ» (جامع الترمذی، الدعوات، باب منه 'الدعاء مخ العبادۃ'

ح: ۳۳۷۲)

”پکارنا (دعا کرنا) عبادت ہی ہے۔“

بلکہ دوسری حدیث میں فرمایا:

«الِدُّعَاءُ مُخَّ الْعِبَادَةِ» (جامع الترمذی، الدعوات، باب منه 'الدعاء مخ العبادۃ'

ح: ۳۳۷۱)

”دُعا (پکارنا) عبادت کا مغز ہے۔“

اور قرآن کریم نے بھی دُعا کو عبادت ہی کہا ہے، فرمایا:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ

عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ (المؤمن ۶۰/۶۱)

”اور تمہارے رب نے فرمایا: ”مجھے پکارو! میں تمہاری پکار کو قبول کروں گا“ بلاشبہ جو

لوگ میری عبادت (یعنی مجھے پکارنے اور مجھ سے دعائیں کرنے) سے انکار کرتے ہیں،

عنقریب وہ جہنم میں ذلیل و خوار ہو کر داخل ہوں گے۔“

یہاں ﴿يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ دَعْوَتِي﴾ کی جگہ اللہ تعالیٰ نے ﴿عِبَادَتِي﴾ کے الفاظ استعمال

فرمائے اور قرآن مجید کا یہ سیاق صاف بتا رہا ہے کہ مافوق الاسباب طریق سے کسی کو پکارنا

اور حاجت روا و مشکل کشا سمجھ کر اس سے دُعا کرنا اس کی عبادت ہی ہے اس لئے مُردہ

بزرگوں کو مدد کے لئے پکارنا اور ان سے استغاثہ کرنا اور یا شیخ عبد القادر! شہداء اللہ! یا

علی مدد وغیرہ کہنا ان کی عبادت و پرستش ہی ہے۔ قیامت کے دن یہ بزرگ اپنی اس

عبادت و پرستش کا بالکل انکار کر دیں گے اور بارگاہ الہی میں عرض کریں گے کہ مولائے کریم

ہم تو ان کی عبادت اور پوجا سے جو یہ (دُعا و استغاثہ کی صورت میں) ہماری کرتے تھے، بالکل بے خبر تھے:

﴿إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ﴾ (یونس ۲۹/۱۰)

یہاں بھی فوت شدہ بزرگوں سے دُعا کو ان کی عبادت ہی کہا گیا ہے جس سے وہ روزِ قیامت انکار کریں گے اور کہیں گے کہ ہمیں تو ان کی عبادت (دُعا و پکار) کا کوئی علم ہی نہیں۔ بہر حال کسی شخص کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر مافوق الاسباب طریق سے اسے پکارنا، اس سے استمداد کرنا اور اس سے دعائیں کرنا یہ اس کی عبادت ہی ہے۔ اسے اگر مگر اور چونکہ چنانچہ سے جائز قرار دینا مغالطہ انگیزی ہے۔

دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

② صحابہ و تابعین نے کسی بھی فوت شدہ کو کبھی نہیں پکارا

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ:

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر اب تک مسلمانوں کا اس پر اجماع و اتفاق رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مؤثر حقیقی و فاعل حقیقی ہونے کا اعتقاد کرتے ہوئے فوت شدہ بزرگانِ دین کو

بطورِ وسیلہ پکارنا، ان سے استغاثہ کرنا اور ان کو امداد کے لئے پکارنا جائز ہے۔“

یہ دعویٰ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اُمتِ مسلمہ پر بہت بڑا افترا اور بہتانِ عظیم ہے ((سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ))۔ اس دعوے کے اثبات میں صحابہ کرام کے دور کی کوئی دلیل پیش نہیں کی جاسکتی، تابعین و تبع تابعین کا کوئی عمل پیش نہیں کیا جاسکتا، حتیٰ کہ امام ابو حنیفہ کا کوئی قول یا فقہ حنفی کی مشہور اور متداول کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا جاسکتا جب ایسا ہے تو اس پر اجماع و اتفاق کا دعویٰ کیسا؟

امرواقع یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ائمہ عظام رضی اللہ عنہم اور فقہائے احناف میں سے کسی نے بھی کسی مردہ کو امداد کے لئے نہیں پکارا اور کبھی ان سے استغاثہ نہیں کیا کیونکہ ان کا عقیدہ یہی تھا کہ مرنے کے بعد کوئی مردہ کسی کی فریاد نہیں سُن سکتا جس کی صراحت قرآن

نے کی ہے:

﴿وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَن فِي الْقُبُورِ﴾ (الفاطر ۲۵/۲۲)

”(اے پیغمبر!) تو قبروں والوں کو کوئی بات نہیں سنا سکتا۔“

③ فوت شدگان سے استغاثہ کرنا اور ان کا وسیلہ پکڑنا جائز نہیں

اس کے دلائل سنئے: صحیح بخاری میں ہے:

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ إِذَا قُحِطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا ﷺ فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ: فَيُسْقَوْنَ» (صحیح البخاری الاستسقاء، باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء إذا فحطوا، ح: ۱۰۱۰)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب بھی قحط سال ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کی دعا کرواتے اور فرماتے: ”اے اللہ! پہلے ہم تیرے نبی (ﷺ) سے (جب وہ زندہ ہم میں موجود تھے) بارش کے لئے دعا کرواتے تو تو ہمیں بارانِ رحمت سے سیراب فرماتا۔ اب (جبکہ نبی ﷺ ہم میں موجود نہیں ہیں) تیرے نبی کے چچا کو ہم تیری بارگاہ میں بطور وسیلہ (یعنی دعا کے لئے) پیش کر کے دعا کر رہے ہیں۔ یا اللہ! اس دعا کو قبول فرما، ہم پر بارش کا نزول فرما۔ (راوی کتا ہے کہ) اس پر بارش ہو جاتی۔“

اور فتح الباری میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعا کے یہ الفاظ منقول ہیں:

«اَللّٰهُمَّ اِنَّهُ لَمْ يَنْزِلْ بَلَاءٌ اِلَّا بِذَنْبٍ وَلَمْ يُكْشَفْ اِلَّا بِتَوْبَةٍ وَقَدْ تَوَجَّهَ الْقَوْمُ بِنَبِيِّكَ لِمَكَانِي مِنْ نَبِيِّكَ وَهَذِهِ اَيْدِيُنَا اِلَيْكَ بِالذُّنُوبِ وَنَوَاصِيُنَا اِلَيْكَ بِالتَّوْبَةِ فَاسْقِنَا الْغَيْثَ»

”یا اللہ! بلاؤں کا نزول گناہوں کی وجہ سے ہی ہوتا ہے اور توبہ کے ذریعہ سے وہ دور ہو

جاتی ہیں۔ یا اللہ! تیرے نبی کے ساتھ مجھ کو قریبی تعلق اور نسبت کی وجہ سے جو عزت و مقام حاصل ہے۔ اس کے پیش نظر انہوں نے مجھے تیری بارگاہ میں ذریعہ بنایا ہے (یعنی دُعا کے لئے لائے ہیں) یا اللہ! یہ گناہ آلود ہاتھ تیری طرف پھیلے ہوئے ہیں اور ہماری پیشانیاں توبہ کے لئے تیری طرف جھکی ہوئی ہیں، یا اللہ ہم پر بارش نازل فرما۔“

روایت کے الفاظ ہیں:

«فَارْخَتِ السَّمَاءُ مِثْلَ الْجِبَالِ حَتَّى أَخْصَبَتِ الْأَرْضُ وَعَاشَ

النَّاسُ» (فتح الباری، باب مذکور: ۲/۶۴۱)

”اس دُعا کے بعد آسمان نے پہاڑوں جیسے دھانے کھول دیئے۔ زمین خوب شاداب ہو

گئی اور لوگوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔“

اس واقعے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل واضح ہو جاتا ہے کہ انہوں نے کسی مُردہ شخص سے دُعا نہیں کرائی حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ سے استغاثہ نہیں کیا۔ انہیں مدد کے لئے نہیں پکارا اور ان کا واسطہ دے کر دُعا نہیں مانگی بلکہ رسول اللہ ﷺ کی بجائے آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں۔ استسقاء کی دُعا اور نمازِ جمع عام میں ہوتی ہے تو گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عام فعل یہی رہا قرار پایا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ تک سے دُعا کرانی جائز نہیں تو آپ سے زیادہ صاحبِ فضیلت کون ہے کہ جس سے اب دُعا کرائی جائے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کا ایک اور واقعہ ہے جسے ملا علی قاری حنفی نے مرقاة شرح مشکوٰۃ میں دسویں صدی ہجری کے شافعی فقیہ ابن حجر کی ہتھی کے حوالے سے نقل کیا ہے:

«قَالَ ابْنُ حَجَرٍ: وَاسْتَسْقَى مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُوَيْدٍ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ

اِنَّا نَسْتَسْقِي بِخَيْرِنَا وَافْضَلِنَا اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَسْقِي بِرَيْدِ بْنِ اَسْوَدٍ

يَا رَيْدُ: اِرْفَعْ يَدَيْكَ اِلَى اللّٰهِ فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَرَفَعَ النَّاسُ اَيْدِيَهُمْ فَثَارَتْ

سَحَابَةٌ مِّنَ الْمَغْرِبِ كَاَنَّهَُا تَرْسٌ وَهَبَتْ رِيحٌ فَسُقُوا حَتَّى كَادَ

النَّاسُ لَا يَتَلْعَوْنَ مَنَازِلَهُمْ» (مرقاۃ: ۲/۲۸۸ طبع قدیم)

”ابن حجر (مکی) کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن اسود رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر بارش کیلئے دُعا کرائی اور فرمایا: ”اے اللہ! ہم میں جو بہتر اور افضل ہے اس کے ذریعے سے ہم تیری بارگاہ میں بارش کی دُعا کرتے ہیں۔ اے اللہ! ہم یزید بن اسود رضی اللہ عنہ کو ساتھ لائے ہیں اور استسقاء کر رہے ہیں۔ (پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا) اے یزید! بارگاہ الہی میں دُعا کیلئے ہاتھ اٹھائیے انہوں نے دُعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھائے پس مغرب کی طرف سے ڈھال کی طرح ایک گھٹا اٹھی اور ہوا چلی اور ان کیلئے بارش کا اس طرح نزول ہوا کہ قریب تھا کہ لوگ اپنے گھروں کو نہ پہنچ سکیں۔“

اس واقعے سے بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ’زندہ سے دُعا کرانے کا تو تھا لیکن فوت شدہ سے دُعا کرانے کا ان کے ہاں کوئی تصور نہ تھا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کے لئے دُعا کرانے کی حدیث ذکر کر کے فرماتے ہیں:

”ازیں جا ثابت شد کہ تو شل بہ گز شکان وغائبان جائز نہ داشتند وگرنہ عباس رضی اللہ عنہ از سرورِ عالم بہتر نہ بود چرا نہ گفت کہ تو شل می کردیم بہ پیغمبر تو و الحال تو سل کنیم بہ روح پیغمبر تو۔“ (البلاغ المبین: ۱۶، طبع لاہور) یعنی ”اس واقعے سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گزرے ہوئے (فوت شدگان) اور غائب لوگوں کو وسیلہ پکڑنا جائز نہیں سمجھتے تھے ورنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بہتر نہ تھے (اگر فوت شدہ سے دُعا کرنا جائز ہوتا) تو انہوں نے کیوں نہ کہا کہ یا اللہ! پہلے ہم تیرے نبی کے ساتھ وسیلہ پکڑتے تھے اب ہم تیرے نبی کی روح کے ساتھ وسیلہ پکڑتے ہیں۔“

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ایک واقعہ: یہ تو واقعات ہوئے عمد صحابہ و تابعین کے، اب خاص امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو جس کو شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمہ اللہ کے ایک شاگرد رشید مولانا محمد بشیر الدین قنوجی (متوفی: ۱۲۹۶ھ) نے فقہ کی ایک کتاب ”غرائب فی تحقیق المذاهب“ کے حوالہ سے لکھا ہے:

”رَأَى الْإِمَامُ أَبُو حَنِيفَةَ مَنْ يَأْتِي الْقُبُورَ لِأَهْلِ الصَّلَاحِ فَيَسَلُّمْ وَيُخَاطِبُ وَيَسْكَلُّمْ وَيَقُولُ: يَا أَهْلَ الْقُبُورِ هَلْ لَكُمْ مِنْ خَيْرٍ وَهَلْ

عِنْدَكُمْ مِّنْ أَثَرٍ إِنِّي أَتَيْتُكُمْ مِّنْ شُهُورٍ وَلَيْسَ سُؤَالِي إِلَّا الدُّعَاءَ
فَهَلْ دَرَيْتُمْ أَمْ غَفَلْتُمْ فَسَمِعَ أَبُو حَنِيفَةَ بِقَوْلٍ يُخَاطِبُهُ بِهِمْ فَقَالَ:
هَلْ أَجَابُوا لَكَ؟ قَالَ: لَا! فَقَالَ لَهُ: سُحْقًا لَّكَ وَتَرَبَّتْ يَدَاكَ
كَيْفَ تَكَلَّمُ أَجْسَادًا لَا يَسْتَطِيعُونَ جَوَابًا وَلَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا
يَسْمَعُونَ صَوْتًا وَقَرَأَ ﴿وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ﴾

(تفہیم المسائل مولانا محمد بشیر الدین قنوجی)

”امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کچھ نیک لوگوں کی قبروں کے پاس آکر
ان سے کہہ رہا تھا: ”اے قبروں والو! کیا تمہیں خبر بھی ہے اور کیا تمہارے پاس کچھ اثر
بھی ہے؟ میں تمہارے پاس کئی مہینوں سے آ رہا ہوں اور تمہیں پکار رہا ہوں، تم سے
میرا سوال بجز دُعا کرانے کے اور کچھ نہیں۔ تم میرے حال کو جانتے ہو یا میرے حال
سے بے خبر ہو؟“ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ بات سُن کر اس سے پوچھا: ”کیا (ان
قبروں والوں نے) تیری بات کا جواب دیا؟“ وہ کہنے لگا: ”نہیں!“ تو آپ نے فرمایا: ”تجھ
پر پھٹکار ہو، تیرے ہاتھ خاک آلودہ ہوں، تو ایسے (مردہ) جسموں سے بات کرتا ہے جو
نہ جواب دینے کی طاقت رکھتے ہیں، نہ کسی چیز کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی کی آواز
(فریاد) سُن سکتے ہیں، پھر امام صاحب نے یہ آیت پڑھی:

﴿وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ﴾ (الفاطر ۲۵/۲۲)

”(اے پیغمبر!) تو ان کو نہیں سنا سکتا جو قبروں میں ہیں۔“

علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت: علامہ آلوسی حنفی بغدادی اپنی تفسیر روح المعانی
میں لکھتے ہیں:

❶ مولانا محمد اسحاق دہلوی کی کتاب ”۱۰۰ مسائل“ کے رد میں ایک کتاب ”تصحیح المسائل“ نامی مولوی
فضل رسول بدایونی نے لکھی تھی اس کا جواب مولانا محمد بشیر الدین قنوجی نے تفہیم المسائل کے نام سے
دیا تھا۔ خوب مدلل کتاب ہے پہلے ۱۲۶۹ھ میں پہلی دفعہ مطبع ”الرحمن“ شاہجہان آباد میں طبع ہوئی پھر
دوسری دفعہ محمدی پریس لاہور میں چھپی۔ تاریخ طبع معلوم نہیں۔

«إِنَّ الْإِسْتِغَاثَةَ بِمَخْلُوقٍ وَجَعَلَهُ وَسِيلَةً بِمَعْنَى طَلْبِ الدُّعَاءِ مِنْهُ لَا شَكَّ فِيهِ جَوَازُهُ إِنْ كَانَ الْمَطْلُوبُ مِنْهُ حَيًّا... وَأَمَّا إِذَا كَانَ الْمَطْلُوبُ مِنْهُ مَيِّتًا أَوْ غَائِبًا فَلَا يَسْتَرِيبُ عَالِمٌ أَنَّهُ غَيْرُ جَائِزٍ وَأَنَّهُ مِنَ الْبِدْعِ الَّتِي لَمْ يَفْعَلْهَا أَحَدٌ مِّنَ السَّلَفِ»

(تفسیر روح المعانی ۲/۲۹۷، طبع قدیم ۱۳۰۱ھ)

”کسی شخص سے درخواست کرنا اور اس کو اس معنی میں وسیلہ بنانا کہ وہ اس کے حق میں دعا کرے اس کے جواز میں کوئی شک نہیں بشرطیکہ جس سے وہ درخواست کی جائے وہ زندہ ہو..... لیکن اگر وہ شخص جس سے درخواست کی جائے مردہ ہو یا غائب تو ایسے استغاثے کے ناجائز ہونے میں کسی عالم کو شک نہیں اور مردوں سے استغاثہ ان بدعات میں سے ہے جن کو سلف میں سے کسی نے نہیں کیا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ، تابعین، ائمہ کرام اور تمام اسلافِ صالحین رضی اللہ عنہم زندہ نیک لوگوں سے تو دعا کرانے کے قائل تھے لیکن کسی مردہ کو انہوں نے مدد کے لئے نہیں پکارا اور ان سے استغاثہ نہیں کیا۔ حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ تک سے استغاثہ نہیں کیا۔ اب آپ کے بعد کونسی ہستی ایسی ہے جو آپ سے زیادہ فضیلت رکھتی ہو کہ اسے مدد کے لئے پکارا جائے اور اس سے استغاثت کی جائے۔ ﴿فَهَلْ مِنْ مُدْكِرٍ؟﴾

وسیلے کی جائز صورتیں: اس تفصیل سے واضح ہے کہ وسیلے کی کئی صورتیں ہیں۔ بعض جائز ہیں اور بعض ممنوع۔ وسیلے کی جائز صورتیں حسب ذیل ہیں۔

① کسی زندہ نیک آدمی سے دعا کی درخواست کی جائے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کروائی۔

② اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے وسیلے یعنی ان کے حوالے سے دعا کی جائے جیسے قرآن مجید میں ہے:

﴿وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ﴾ (المؤمنون ۲۳/۱۱۸)

”اور آپ کہئے اے رب! تو معاف کر دے اور رحم فرما“ اور تو سب رحم کرنے والوں

سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔“

یہاں اللہ سے رحم کرنے کی دعا کی جا رہی ہے اس کی صفت خیر الراحمین کے حوالے سے۔ اسی طرح یا اَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ کا حوالہ بھی دیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح اس سے رزق کی دعا اس کی صفت رزاق اور خیر الرازقین کے حوالے سے اور دیگر دعائیں ان کے حسب حال دیگر اسمائے حسنی کے حوالے سے کی جائیں۔

③ اپنی تکلیف، اپنی تقصیر اور فقر و حاجت کا اظہار کر کے اس سے دعا کی جائے۔ اس صورت میں گویا انسان اپنی بے چارگی و بے کسی اور اپنی عاجزی و درماندگی کا وسیلہ یعنی حوالہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے۔ جیسے حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری کے حوالے سے دعا فرمائی۔

﴿ اِنِّیْ مَسْنٰی الضُّرِّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ ﴾ (الانبیاء ۸۳/۲۱)

”بے شک مجھے تکلیف (بیماری) پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔“

اور جیسے زکریا علیہ السلام نے اولاد کے لیے دعا فرمائی تو اس میں ظاہری اسباب کے مطابق اپنی بے چارگی اور بے بسی کا اس طرح اظہار فرمایا:

﴿ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاَسْتَعَلَ الرَّاسُ شَيْبًا وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَائِكَ

رَبِّ شَاقِیًّا ﴾ (مریم ۴/۱۹)

”اے میرے رب! میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے بھڑک اٹھا ہے، لیکن اے میرے رب! میں کبھی بھی تجھ سے دعا کر کے محروم نہیں رہا ہوں۔“

حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں اپنی تقصیر کا اعتراف کرتے ہوئے یوں دعا فرمائی:

﴿ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظَّٰلِمِیْنَ ﴾

(الانبیاء ۸۷/۲۱)

”تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، یقیناً میں ہی قصور وار ہوں۔“

④ نیک اعمال کے وسیلے یعنی حوالے سے دعا کی جائے۔ جیسے قرآن مجید میں ہے:

﴿رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ ءَامِنُوا بِرَبِّكُمْ فَءَامَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ﴾

(آل عمران ۱۹۳)

”اے ہمارے رب! ہم نے ایک آواز دینے والے کو سنا جو ایمان قبول کرنے کی آواز لگا رہا تھا، پس ہم (اس کی پکار پر) ایمان لے آئے، اے ہمارے رب! پس (اس ایمان کی بدولت) تو ہمارے گناہ معاف فرما دے اور ہم سے ہماری برائیاں دور کر دے اور ہمیں نیکوں کے ساتھ فوت کرنا۔“

یا جیسے حدیث میں سابقہ امتوں میں سے تین اشخاص کا واقعہ آتا ہے جنہوں نے بارش آنے پر غار میں پناہ لی تو غار کا منہ بند ہو گیا اور وہ تینوں غار میں پھنس گئے۔ وہاں ان تینوں نے اپنا اپنا خالص عمل، جو انہوں نے صرف اللہ کی رضا کے لیے کیا تھا، اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا اور اس کے وسیلے اور حوالے سے اللہ سے دعا کی۔ اللہ نے ان کی دعاؤں کو قبول فرما کر غار کے دھانے سے اس چٹان کو سرکا دیا جس نے غار کا منہ بند کر دیا تھا اور وہ سب اس سے باہر نکل آئے۔ (صحیح بخاری، احادیث الانبیاء، باب حدیث الغار، حدیث: ۳۴۶۵)

قرآن مجید میں دو مقام پر ”الوسیلہ“ کا لفظ آیا ہے، دونوں جگہ وسیلے سے مراد یہی ذریعہ، قرب الہی یعنی اعمال صالحہ ہیں۔ یہ دو مقام حسب ذیل ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾

(المائدہ: ۳۵/۵)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔“

یعنی اعمال صالحہ کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ﴾ (الإسراء: ۵۷/۱۷)

”وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں، وہ تو اپنے رب کی طرف وسیلہ (ذریعہ، قرب) تلاش

کرتے ہیں کہ کون ان میں سے (اللہ کے) زیادہ قریب ہے۔ اور وہ اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔“

زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگ فرشتوں کی پوجا کرتے تھے اور کچھ لوگ جنات کی۔ اللہ نے فرمایا، یہ تو خود اللہ کا قرب تلاش کرنے کی فکر میں رہتے اور اس کی رحمت کی آس لگائے رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ جب یہ خود ایسے ہیں تو یہ معبود کس طرح بن سکتے ہیں؟

قرآن مجید کے ان دونوں مقامات کے سیاق سے واضح ہے کہ وسیلے سے مراد اعمال صالحہ ہیں۔ ایک میں اللہ تعالیٰ انہیں اختیار کرنے کی تلقین فرما رہا ہے اور دوسرے میں اللہ والوں کی صفت یہ بتلائی جا رہی ہے کہ وہ اعمال صالحہ بجالا کر اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ ناجائز اور ممنوع وسیلہ: اس کی صورت یہ ہے کہ کسی مخلوق کے واسطے اور وسیلے سے دعا کی جائے۔ مثلاً: ”یا اللہ! فلاں کے صدقے ہمارا فلاں کام کر دے۔ یا فلاں کے حق یا جاہ و مرتبت کے واسطے ہماری دعا قبول فرما۔“

یہ وسیلہ اس لیے ناجائز ہے کہ یہ طریقہ نبی ﷺ کا بتلایا ہوا ہے نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختیار فرمودہ ہے۔ یہ گویا بدعی طریقہ ہے، علاوہ ازیں یہ شرک کا ذریعہ بنتا ہے۔ لوگ جن کو اللہ کے ہاں معزز و مقرب سمجھ کر ان کے واسطے اور صدقے سے دعائیں مانگتے ہیں، شریعت اور توحید کے تقاضوں سے نا آشنا عوام پھر انہی بزرگوں کو متصرف الامور سمجھ لیتے ہیں اور ان سے بھی اسی طرح استدعا و استغاثہ کرنے لگ جاتے ہیں جیسے اللہ سے کیا جاتا ہے۔ یا ان کی قبروں پر جا کر نذر و نیاز چڑھانے یا وہاں جا کر دیگیں تقسیم کرنے کو حاجت بر آنے کے لیے اکسیر سمجھا جاتا ہے۔ آخر الذکر یہ دونوں صورتیں شرک صریح کی ذیل میں آ جاتی ہیں۔ اس لیے مذکورہ بدعی طریقے سے دعا کرنا حرام اور ناجائز ہے۔ اس سے شرک کا دروازہ کھلتا ہے۔ جیسا کہ واقعاً ایک حلقے میں اس طرح کا شرک عام ہے اور اگر کوئی سمجھتا ہے کہ میرے لیے اس میں شرک کا کوئی اندیشہ نہیں ہے تب بھی اس طریقے کے بدعی ہونے میں تو کوئی شک ہی نہیں۔ مسنون طریقہ چھوڑ کر بدعی طریقہ اختیار کرنا بھی ایک

مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ اس لیے دعا، صرف اللہ کے اسمائے حسنیٰ یا اعمالِ صالحہ ہی کے حوالے سے کی جائے یا کسی نیک زندہ شخص سے دعا کروائی جائے۔

حدیث الاعمیٰ سے استدلال اور اس کا جواب : بجق فلاں یا بہ جاہ فلاں دعا کرنے والے حضرت حدیث میں بیان کردہ ایک واقعے سے استدلال کرتے ہیں، ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس پر بھی کچھ گفتگو ہو جائے۔ یہ واقعہ حدیث میں اس طرح بیان ہوا ہے۔

ایک نابینا شخص، رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: اَدْعُ اللّٰهَ اَنْ يُعَافِيَني "آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے عافیت عطا فرمادے۔" نبی ﷺ نے اس سے فرمایا:

«إِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ وَإِنْ شِئْتَ صَبَرْتُ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ»

"اگر تو چاہے تو دعا کر دیتا ہوں اور اگر تو چاہے تو صبر کر لے، تیرے لیے یہ زیادہ بہتر ہے۔"

اس نے کہا: آپ اللہ سے دعا ہی فرمادیں۔ آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ اچھی طرح وضو کر کے آئے اور ان الفاظ کے ساتھ دعا کرے۔

«اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَةِ، اِنِّیْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلَی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هَذِهِ لِتَقْضِیْ لِیْ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ

فِیْ» (جامع الترمذی، الدعوات، باب ۱۱۸ (بعد باب فی دعاء الضیف)، ح: ۳۵۷۸)

"اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف تیرے نبی محمد پیغمبر رحمت (کی

دعا) کو متوجہ کرتا ہوں۔ بے شک میں آپ (نبی ﷺ) کو اپنے رب کی طرف اپنی اس

حاجت میں سفارشی بناتا ہوں، تاکہ میری حاجت پوری کر دی جائے۔ اے اللہ! پس تو

آپ کی میرے بارے میں سفارش (دعا) کو قبول فرما۔"

یہاں شفاعت (سفارش) بمعنی دعا ہے، سیاق سے یہ معنی واضح ہے۔ گویا اس میں زندہ

بزرگ کی شفاعت یا دعا کو بطور وسیلہ اختیار کیا گیا ہے، یعنی نیک آدمی سے دعا کروانا۔ اور یہ

وسیلے کی ایک جائز صورت ہے، کیونکہ یہ صورت بھی دراصل اعمالِ صالحہ کے ذریعے سے

دعا کرنے میں شامل ہے۔ انسان کسی نیک آدمی سے دعا کی درخواست کرتا ہے تو اس کی نیکی

کی بنیاد اعمالِ صالحہ ہی ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ قسم بھی دراصل اعمالِ صالحہ کے ذریعے سے

دعا کرنے ہی میں شامل ہے۔

اس میں بحق فلاں یا بہ جاہ فلاں یا فلاں کے صدقے، والی کوئی بات نہیں ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ نابینا آدمی نبی ﷺ کے پاس نہ آتا، بلکہ گھر بیٹھے ہی نبی ﷺ کے صدقے اور واسطے، یا آپ کے حق اور جاہ و مرتبت کے حوالے سے دعا کر لیتا۔ اس نے ایسا نہیں کیا، بلکہ آپ سے دعا کی درخواست کے لیے آپ کے پاس آیا۔ یعنی آپ کی دعا کے ساتھ توسل کیا، نہ کہ آپ کے ذات یا آپ کے جاہ کے ساتھ۔

نبی ﷺ نے بھی اسے یہ نہیں کہا کہ تجھے یہاں آنے کی ضرورت ہی کیا تھی، تو گھر بیٹھے ہی میرے صدقے یا میرے حق کے حوالے سے دعا کر لیتا۔ اس کی بجائے آپ نے اسے وضو کر کے (اور سنن ابن ماجہ کی روایت کے مطابق، پھر دو رکعت ادا کر کے) مذکورہ طریقے سے دعا کرنے کا حکم دیا اور وضو کر کے دو رکعت ادا کرنا، عمل صالح ہی ہے، اس عمل صالح کے بعد اللہ سے دعا کرنے کی تلقین فرمائی۔ علاوہ ازیں نابینا نے بھی آپ سے دعا کے لیے اصرار کیا، جس پر آپ نے بھی وعدے کے مطابق اس کی عافیت کے لیے دعا فرمائی۔

اس اعتبار سے اس واقعے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ اس نابینا آدمی نے نبی ﷺ کے پاس آکر دعا کی درخواست کی اور پھر اس نے خود، نبی ﷺ کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق پہلے اپنے لیے دعا کی۔ پھر اس دعا میں اس نے اپنے متعلق آپ کی دعا اور سفارش کے قبول کرنے کی بھی بارگاہ الہی میں التجا کی۔ اس لیے بعض علماء نے کہا ہے کہ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ میں مضاف محذوف ہے۔ یعنی اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِدُعَاءِ نَبِيِّكَ ”میں تیری طرف تیرے نبی کی دعا پیش کرتا (یا اس کی دعا کے ساتھ تیری طرف متوجہ ہوتا) ہوں۔“

اس واقعے اور حدیث سے قطعاً اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ مخلوق کی ذات یا اس کے حق اور جاہ و مرتبت کے وسیلے سے دعا کی جائے یا انہیں غائبانہ مدد کے لیے پکارا جائے۔ اس حدیث سے صرف زندہ نیک آدمی سے دعا کروانے کا، علاوہ ازیں وہ جو دعا کسی کے لیے کرے، اس کی قبولیت کی التجاء کرنے کا اثبات ہوتا ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

② صنم پرست مشرکین بھی فاعلِ حقیقی اللہ ہی کو مانتے تھے

بعض لوگ کہتے ہیں ”اللہ تعالیٰ کو فاعلِ حقیقی مانتے ہوئے کسی کو مدد کے لئے پکارا جائے تو یہ شرک نہیں۔“ اس سلسلے میں عرض ہے کہ اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ دنیا میں شرک کا وجود کبھی رہا ہی نہیں ہے اور قرآن کریم میں (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے خواہ مخواہ لوگوں کو مشرک قرار دیا ہے۔

قرآن مجید میں بڑی وضاحت کے ساتھ بار بار یہ بات بیان کی گئی ہے کہ عرب کے مشرکین جو دعوتِ توحید کے مخاطبِ اول تھے، وہ یہ مانتے تھے کہ زمین و آسمان اور کائنات کا خالق و مالک اور پروردگار صرف اللہ ہے اور وہی واحد ہستی ہے جس کے ہاتھ میں کائنات کی تدبیر اور تصرف ہے لیکن اس کے باوجود قرآن نے ان عربوں کو مشرک کہا۔ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ماننے کے باوجود وہ مشرک کیوں قرار پائے؟ یہی وہ نکتہ ہے جس پر غور کرنے سے شرک کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مشرکین عرب نے اللہ کے سوا جن ہستیوں کو معبود اور دیوتا مان رکھا تھا وہ ان کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق، اس کا مملوک اور بندہ ہی جانتے تھے لیکن اس کے ساتھ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ چونکہ یہ لوگ اپنے اپنے وقتوں میں اللہ کے نیک بندے اور اس کے چہیتے تھے اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں خاص مقام حاصل تھا اس بناء پر وہ بھی کچھ اختیارات اپنے پاس رکھتے ہیں۔ ہم ان کی عبادت (پوجا) اس لئے نہیں کرتے کہ یہ خدائی اختیارات کے حامل ہیں، ہم تو ان کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں اور بطورِ وسیلہ اور سفارش ان کو پکارتے ہیں اور ان سے استغاثہ کرتے ہیں۔ خود قرآن کریم میں مشرکین کے یہ اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ سورۃ یونس میں فرمایا:

﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ

هَؤُلَاءِ شَفَعَتُونَا عِنْدَ اللَّهِ﴾ (یونس ۱۸/۱۰)

”اور (وہ مشرکین عرب) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نقصان

پہنچا سکتی ہیں نہ نفع۔ اور کہتے (یہ) ہیں کہ یہ تو ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس۔“

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ (الزمر ۳/۳۹)

”جن لوگوں نے اللہ کے سوا اپنے حمایتی پکڑ رکھے ہیں (ان کا کہنا ہے) کہ ہم تو ان کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ کے قریب پہنچادیں۔“
اور صحیح احادیث میں آتا ہے کہ مشرکین عرب حج میں یہ تلبیہ پڑھا کرتے تھے:

«لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ إِلَّا شَرِيكَكَ هُوَ لَكَ، تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ» (صحیح

مسلم، الحج، باب التلبیة وصفتها ووقتها، ح: ۱۱۸۵)

”اے اللہ! ہم تیرے حضور حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں، سوائے اس شریک کے جو تیرا ہی ہے تو اس کا مالک ہے اور جن پر اس کی ملکیت اور حکومت ہے ان کا مالک بھی تو ہی ہے۔“

قومِ نوح کے پانچ بُت بھی دراصل اللہ کے نیک بندوں ہی کے نام تھے

اور صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی صراحت موجود ہے کہ قومِ نوح کے وہ پانچ بُت جن کا ذکر قرآن مجید (سورۃ نوح) میں کیا گیا ہے۔ جن کی وہ عبادت و پرستش کرتے تھے اللہ کے نیک بندوں کے بُت تھے:

«أَسْمَاءُ رَجَالٍ صَالِحِينَ مِنْ قَوْمِ نُوحٍ فَلَمَّا هَلَكُوا أَوْحَى الشَّيْطَانُ إِلَى قَوْمِهِمْ أَنْ انْصِبُوا إِلَيَّ مَجَالِسَهُمُ الَّتِي كَانُوا يَجْلِسُونَ أَنْصَابًا وَاسْمُوهَا بِأَسْمَاءِهِمْ فَفَعَلُوا فَلَمْ تَعْبُدْ حَتَّى إِذَا هَلَكَ أُولَئِكَ وَتَسَنَّخَ الْعِلْمُ عُذَّتْ» (صحیح البخاری، التفسیر، تفسیر سورہ نوح،

ح: ۴۹۲۰)

”یعنی“ قومِ نوح کے پانچ بُت دراصل قومِ نوح کے نیک آدمیوں کے نام تھے جب وہ مَر گئے تو شیطان نے ان کے ارادت مندوں سے کہا کہ (ان کی یاد تازہ رکھنے کے لئے) ان کے مجسمے بنا کر اپنی بیٹھکوں میں رکھ لو۔ اور ان کو ان کے ناموں ہی سے موسوم

کرو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا لیکن ان کی عبادت نہ کی گئی حتیٰ کہ جب یہ (مجسمے بنانے والے) فوت ہو گئے تو ان کے بعد کی نسل نے لاعلمی اور جمالت کی بناء پر ان تصویروں اور مجسموں کی عبادت شروع کر دی۔“

بہر حال قرآن و حدیث اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مشرکین عرب کا شرک بھی یہی تھا کہ انہوں نے اللہ کے نیک بندوں کو ان کی وفات کے بعد اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا، ان کے نام کی نذریں اور نیازیں دیں اور ان کے آستانوں پر سالانہ میلوں ٹھیلوں کا اہتمام کیا، ورنہ فاعل حقیقی وہ بھی اللہ کو مانتے تھے اور جب زیادہ مشکلات میں گھرتے تو پھر وہ ان بتوں کو چھوڑ کر فاعل حقیقی اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے، جس کی شہادت خود قرآن مجید نے دی ہے۔ مثلاً: سمندر میں جہاں کوئی ظاہری مادی سہارا انہیں نظر نہ آتا تو وہاں صرف اللہ رب العالمین کو پکارتے اور اپنے خود ساختہ بزرگوں اور معبودوں کو چھوڑ دیتے:

﴿فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ (العنکبوت ۲۹/۶۵)
 ”جب یہ مشرکین (دریائی سفر میں) کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو (خطرے کے وقت) خالص اعتقاد کرتے ہوئے اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔“

دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِلَٰهَ﴾ (بنی اسرائیل ۱۷/۶۷)
 ”جب تم دریا میں (طوفان وغیرہ کی) مصیبت میں گھر جاتے ہو تو تمہارے وہ دیوتا جن کو تم پکارا کرتے ہو، غائب اور گم ہو جاتے ہیں۔ اس وقت تم بس اللہ ہی کو پکارتے ہو۔“

بے خبر مسلمانوں کا شرک..... بزرگانِ دین کی تصریحات

بالکل یہی شرک ان مسلمانوں میں پایا جاتا ہے جو قبر پرست ہیں اور جن کی وکالت ان کے علماء فرماتے ہیں۔ ذرا بتلایا جائے کہ مشرکین عرب اور موجودہ قبر پرست مسلمانوں کے شرک میں کیا فرق ہے؟ اگر اب بھی کسی کو شک ہو تو ان اکابر علماء کی تصریحات ملاحظہ

فرمائیں جن کو وہ بھی قابلِ اعتماد گردانتے ہیں، ان خفی علماء اور بزرگوں نے بھی وضاحت کی ہے کہ مسلمان جاہل عوام قبروں کے ساتھ جو کچھ کرتے ہیں وہ صریحاً مشرکانہ اعمال و اعتقادات ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ : چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی لکھتے ہیں : ”و حیوانات را کہ نذر مشائخ می کنند و بر سر قبر ہائے ایشان رفتہ آن حیوانات ذبح می نمایند در روایات فقہیہ اس عمل را نیز داخل شرک ساختہ اند و دریں باب مبالغہ نمودہ اس ذبح را از جنس ذبائح جن انگاشتہ اند کہ ممنوع شرعی است و داخل دائرۂ شرک“ (مکتوب امام ربانی - دفتر سوم، مکتوب: ۳۱) ”اور یہ لوگ بزرگوں کے لئے جو حیوانات (مرغوں، بکروں وغیرہ) کی نذر مانتے ہیں اور پھر ان کی قبروں پر لے جا کر ان کو ذبح کرتے ہیں تو فقہی روایات میں اس فعل کو بھی شرک میں داخل کیا گیا ہے اور فقہاء نے اس باب میں پوری سختی سے کام لیا ہے اور ان قربانیوں کو جنوں (دیوتاؤں اور دیویوں) کی قربانی کے قبیل سے ٹھہرایا ہے جو شرعاً ممنوع اور داخل شرک ہے۔“

اسی مکتوب میں آگے چل کر وہ اُن جاہل مسلمان عورتوں کے بارے میں لکھتے ہیں جو پیروں اور بیبیوں کو راضی کرنے کی نیت سے ان کے نام کے روزے رکھتی ہیں اور ان روزوں کے توکل سے ان پیروں اور بیبیوں سے اپنی حاجتیں طلب کرتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ وہ ہماری حاجتیں پوری کریں گے۔ ان کے بارے میں حضرت مجدد فرماتے ہیں: اس شرکت در عبادت است کہ ”ان جاہل عورتوں کا یہ عمل شرک فی العبادت ہے۔“

حضرت شاہ ولی اللہ : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اگر در تصویر حال مشرکین و اعمال ایشان توقف داری احوال محترقان اہل زمانہ خصوصاً آنہا کہ بہ اطراف دار الاسلام سکونت دارند ملاحظہ کن کہ..... بہ قبور و آستانہا می روند و انواع شرک بہ عمل می آرند۔“ (الفوز الکبیر فی اصول التفسیر: ۱۱)

”اگر عرب کے مشرکین کے احوال و اعمال کا صحیح تصور تمہارے لیے مشکل ہو اور اس میں کچھ توقف ہو تو اپنے زمانے کے پیشہ ور عوام خصوصاً وہ جو دار الاسلام کے اطراف میں

رہتے ہیں ان کا حال دیکھ لو، وہ قبروں، آستانوں اور درگاہوں پر جاتے ہیں اور طرح طرح کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔“

اور ”حُجَّةُ اللَّهِ الْبَالِغَةُ“ میں شرک کی مختلف شکلیں بیان کر کے لکھتے ہیں:

«وَهَذَا مَرَضٌ جُمُھُورِ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى وَالْمُشْرِكِينَ وَبَعْضُ الْغُلَاةِ مِنْ مُنَافِقِي دِينِ مُحَمَّدٍ ﷺ يَوْمَنَا هَذَا» (حجة الله البالغة، باب فی

حقیقة الشرك، ص: ۶۱)

”اور شرک کی یہ وہ بیماری ہے جس میں یہود، نصاریٰ اور مشرکین بالعموم اور ہمارے اس زمانے میں مسلمانوں میں سے بعض غالی منافقین مبتلا ہیں۔“

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ: شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ مزمل کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ شان صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہے کہ جو اس کو جب اور جہاں سے یاد کرے، اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہو جائے اور یہ شان بھی اسی کی ہے کہ وہ اس بندے کی قوتِ مدرکہ میں آجائے جس کو شریعت کی خاص زبان میں دُتُو، تدلی اور قرب و نزول کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: ”اس ہر دو صفتِ خاصہ ذاتِ پاکِ اوتعالیٰ است ہیچ مخلوق را حاصل نیست آری بعض کفرہ در حق بعضی از معبودانِ خود و بعضی پیر پرستان از زمرہٴ مسلمین در حق پیرانِ خود امر اول را ثابت می کنند و در وقتِ احتیاج بہ ہمیں اعتقاد بآنها استعانت می نمایند۔“ (تفسیر عزیزی پارہ تبارک الذی، سورۃ مزمل، صفحہ: ۱۸۱)

”اور یہ دونوں صفتیں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کا خاصہ ہیں، یہ کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہیں۔ ہاں بعض کفار اپنے بعض معبودوں اور دیوتاؤں کے بارے میں، اور مسلمانوں میں سے بعض پیر پرست اپنے پیروں کے بارے میں ان میں سے پہلی چیز ثابت کرتے ہیں اور اپنی حاجتوں کے وقت اسی اعتقاد کی بناء پر ان سے مدد چاہتے ہیں اور مدد کیلئے ان کو پکارتے ہیں۔“

اپنے فتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں ہندوستان کے ہندوؤں کے شرک کا حال یوں بیان کر کے آخر میں فرماتے ہیں: ”ہمیں است حال فرقہ ہائے بسیار از مسلمین مثل تعزیہ سازان و مجاورانِ قبور و جلالیان و مداریان۔“ (فتاویٰ عزیزی: ۱/۱۳۳، طبع مجتبائی دہلی)

”یہی حال ہے بہت سے مسلمان فرقوں کا مثلاً تعزیہ بنانے والوں، قبروں کے مجاوروں، جلالیوں اور مداریوں کا۔“

اور اسی فتاویٰ میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ”در باب استعانت بہ ارواحِ طیبہ دریں اُمت افراطِ بسیار بہ وقوع آمدہ آنچہ جمال و عوام ایں ہامی کنند وایشاں را در ہر عمل مستقل دانستہ اند بلاشبہ شرک جلی است۔“ (حوالہ مذکورہ: ۱۲۱)

”ارواحِ طیبہ (نیک لوگوں کی روحوں) سے استعانت (مدد طلب کرنے) کے معاملے میں اس اُمت کے جمال و عوام جو کچھ کرتے ہیں اور ہر کام میں بزرگانِ دین کو مستقل مختار سمجھتے ہیں۔ یہ بلاشبہ شرک جلی ہے۔“ (خلاصہ)

اسی طرح اور بھی کئی بزرگوں نے اس کی صراحتیں کی ہیں کہ قبر پرست مسلمانوں کے اعمال و عقائد صریحاً مشرکانہ ہیں۔

فقہ حنفی کی صراحت (قبروں پر کیے جانے والے کام حرام ہیں): یہ بات بھی دلچسپی سے خال نہیں کہ تمام قبر پرست اپنے آپ کو فقہ حنفی کا پیروکار کہتے ہیں حالانکہ فقہ حنفی میں بھی اُن اُمور کو جن کا ارتکاب قبر پرست کرتے ہیں، حرام و باطل اور کفر و شرک بتلایا گیا ہے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ”ذَرِّ مَخَارَ“ میں ہے:

«وَاَعْلَمُ أَنَّ النَّذْرَ الَّذِي يَقَعُ لِلْأَمْوَاتِ مِنْ أَكْثَرِ الْعَوَامِّ وَمَا يُؤْخَذُ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَالشَّمْعِ وَالزَّيْتِ وَنَحْوِهَا إِلَى ضَرَائِحِ الْأَوْلِيَاءِ الْكَرَامِ تَقَرُّبًا إِلَيْهِمْ فَهُوَ بِالْإِجْمَاعِ بَاطِلٌ وَحَرَامٌ» (الدر المختار: ۴۳۹/۲)

”معلوم ہونا چاہیے کہ اکثر عوام، مردوں کے نام پر جو نذریں اور نیازیں دیتے ہیں۔ چڑھاوے چڑھاتے ہیں، اولیاءِ کرام کا تقرب حاصل کرنے کے لئے مالی نذرانے پیش کرتے ہیں اور ان کی قبروں پر چراغ اور تیل جلاتے ہیں، وغیرہ۔ یہ سب چیزیں بالاجماع باطل اور حرام ہیں۔“

ذَرِّ مَخَارَ کی مشہور شرح رد المحتار (المعروف فتاویٰ شامی) میں اس کی شرح یوں کی گئی ہے:

«قَوْلُهُ بَاطِلٌ وَحَرَامٌ لَوْجُوهٌ مِنْهَا أَنَّهُ نَذْرٌ لِمَخْلُوقٍ وَالنَّذْرُ

لِلْمَخْلُوقِ لَا يَجُوزُ لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ وَالْعِبَادَةُ لَا تَكُونُ لِمَخْلُوقٍ وَمِنْهَا
أَنَّ الْمُنْذُورَ لَهُ مَيِّتٌ وَالْمَيِّتُ لَا يَمْلِكُ وَمِنْهَا أَنَّهُ ظَنٌّ أَنَّ الْمَيِّتَ
يَتَصَرَّفُ فِي الْأُمُورِ دُونَ اللَّهِ تَعَالَى وَاعْتِقَادُهُ ذَلِكَ كُفْرٌ»
(رد المحتار: ۲/ ۴۳۹)

”اس نذر لغیر اللہ کے باطل اور حرام ہونے کے کئی وجوہ ہیں جن میں سے یہ ہے کہ
○ یہ قبروں کے چڑھاوے وغیرہ مخلوق کے نام کی نذریں ہیں اور مخلوق کے نام کی نذر
جائز ہی نہیں اس لیے کہ یہ (نذر بھی) عبادت ہے اور عبادت کسی مخلوق کی جائز
نہیں۔ ○ اور ایک وجہ یہ ہے کہ منْذُور لہ (جس کے نام کی نذر دی جاتی ہے) مردہ
ہے اور مردہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔ ○ اور ایک وجہ یہ ہے کہ نذر دینے والا
شخص مردوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ اللہ کے سوا کائنات میں تصرف
کرنے کا اختیار رکھتے ہیں حالانکہ ایسا عقیدہ رکھنا بھی کفر ہے۔“

فتاویٰ عالمگیری کا فتویٰ: اسی طرح فتاویٰ عالمگیری جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے
پانچ سو حنفی علماء نے مرتب کیا ہے، اس میں لکھا ہے کہ:

«وَالنَّذْرُ الَّذِي يَقَعُ مِنْ أَكْثَرِ الْعَوَامِّ بِأَنَّهُ يَأْتِي إِلَى قَبْرِ بَعْضِ
الصُّلَحَاءِ وَيَرْفَعُ سِتْرَهُ قَائِلًا: يَا سَيِّدِي فَلَانُ! إِنْ قَضَيْتَ حَاجَتِي
فَلَكَ مِنِّي مِنَ الذَّهَبِ مَثَلًا كَذَا بَاطِلٌ إِجْمَاعًا»

”اکثر عوام میں یہ رواج ہے کہ وہ کسی نیک آدمی کی قبر پر جا کر نذر مانگتے ہیں کہ اے
فلاں بزرگ! اگر میری حاجت پوری ہو گئی تو اتنا سونا (یا کوئی اور چیز) تمہاری قبر پر
چڑھاؤں گا۔ یہ نذر بالا جماع باطل ہے۔“

پھر لکھا ہے:

«فَمَا يُؤْخَذُ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَنَحْوِهَا وَيُثْقَلُ إِلَى ضَرَائِحِ الْأَوْلِيَاءِ
الْكِرَامِ تَقَرُّبًا إِلَيْهِمْ فَحَرَامٌ بِالْإِجْمَاعِ» (الفتاویٰ الہندیۃ (المعروف) فتاویٰ
عالمگیری: ۱/ ۲۱۶، باب الاعتكاف، طبع مصر)

”پس جو دینار و درہم یا اور چیزیں اولیاء کرام کی قبروں پر ان کا قرب حاصل کرنے (اور ان کو راضی کرنے) کے لئے لی جاتی ہیں وہ بالاجماع حرام ہیں۔“

اللہ کے سوا کسی اور کو عالم الغیب سمجھنا کفر ہے: مُردوں سے استغاثہ و استعانت کرنے والے کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ وہ میرے حال سے واقف ہے اور وہ عالم الغیب ہے کیوں کہ اس عقیدے کے بغیر ہزاروں میل کے فاصلے سے کسی مُردہ بزرگ کو پکارنے کا کوئی مطلب ہی نہیں رہتا۔

اور اللہ کے سوا کسی اور کو عالم الغیب سمجھنے والے کی بھی فقہ حنفی میں تکفیر کی گئی ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری حنفی شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں:

«ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يَعْلَمُوا الْمَغِيبَاتِ مِنَ الْأَشْيَاءِ إِلَّا مَا عَلَّمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى أَحْيَانًا وَذَكَرَ الْحَنْفِيَّةُ تَضْرِيحًا بِالتَّكْفِيرِ بِاعْتِقَادِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ يَعْلَمُ الْغَيْبَ لِمُعَارَضَةِ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ كَذَا فِي الْمَسَائِرَةِ»

(شرح فقہ اکبر، ص: ۱۸۲، طبع مجتہبی)

”معلوم ہونا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام غیب کی صرف انہی باتوں کو جانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً ان کو بتلا دے اور فقہائے حنفیہ نے اس عقیدے کو کہ ”رسول اللہ ﷺ کو علم غیب تھا“ صراحۃً کفر قرار دیا ہے کیوں کہ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کے معارض (مخالف) ہے۔ یہی بات (شیخ ابن الہمام نے) مسائرہ میں ذکر کی ہے۔“

فقہ حنفی کی ایک اور مشہور کتاب فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

«رَجُلٌ تَزَوَّجَ امْرَأَةً بِغَيْرِ شُهُودٍ فَقَالَ الرَّجُلُ وَالْمَرْأَةُ»

خدائے را و پیغامبر را گواہ کر دیم

«قَالُوا: يَكُونُ كُفْرًا لِأَنَّهُ اعْتَقَدَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَعْلَمُ الْغَيْبَ وَهُوَ مَا كَانَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ حِينَ كَانَ فِي الْأَحْيَاءِ فَكَيْفَ بَعْدَ

المَوْتِ» (فتاویٰ قاضی خان علی حاشیہ فتاویٰ عالمگیری: ۵۷۶/۳ طبع بلاق

۱۳۱۰ھ فتاویٰ بزازیہ ص: ۳۲۵، علی رجاشیہ فتاویٰ عالمگیری: ۳۲۵/۶)

”کسی آدمی نے کسی عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا۔ البتہ مرد و عورت نے یہ کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو گواہ بناتے ہیں، فقہائے حنفیہ کہتے ہیں کہ ایسا کہنا کفر ہے اس لیے کہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ غیب جانتے ہیں حالانکہ آپ اپنی زندگی میں عالم الغیب نہ تھے، دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ عالم الغیب کیوں کر ہو سکتے ہیں؟“

اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

«وَقَالَ عُلَمَاؤُنَا مَنْ قَالَ أَنَّ أَرْوَاحَ الْمَشَايِخِ حَاضِرَةٌ تَعْلَمُ يَكْفَرُ»

(فتاویٰ مولانا عبدالحی: ۲/۲۴ بحوالہ فتاویٰ بزازیہ ص: ۳۳۶، علی حاشیہ فتاویٰ

عالمگیری: ۶)

”ہمارے (حنفی) علماء نے کہا کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ بزرگوں کی روہیں حاضر ہوتی ہیں اور غیب جانتی ہیں وہ کافر ہے۔“

اسی طرح فقہ حنفی میں، قبروں کا طواف، قبروں کا چومنا، ان کی تعظیم کے لئے جھکنا اور وہاں دست بستہ قیام وغیرہ یہ تمام چیزیں ناجائز اور حرام لکھی ہیں اور قبروں پر سجدے کو کفر تک سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فوت شدہ بزرگوں سے استغاثے کے قائل اور ان کے وکیل و حمایتی اس آئینے میں اپنا سراپا دیکھ کر فیصلہ کر لیں کہ خود فقہ حنفی ان کی بابت کیا فیصلہ صادر کرتی ہے۔ ہم یہاں رسول اللہ ﷺ کے وہ فرمودات نقل نہیں کر رہے جن میں یہود و نصاریٰ کو اسی لئے ملعون قرار دیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے نیک لوگوں اور نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ (صحیح مسلم) اس لئے کہ اس کی تفصیل ایک مستقل عنوان کی متقاضی ہے۔

شَيْخُ عَبْدِ الْقَادِرِ! شَيْئًا لِلَّهِ كَيْونَ نَاجِزٌ هِيَ: اس تفصیل سے واضح ہے کہ يَا عَلِيُّ مَدَدُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَدَدُ اغْنِنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ اور يَا شَيْخَ عَبْدِ الْقَادِرِ شَيْئًا لِلَّهِ وغیرہ جیسے الفاظ اور

وظیفوں سے فوت شدگان سے استغاثہ (مدد طلب کرنا) حرام، ناجائز اور مشرکانہ فعل ہے کیوں کہ ایسا کرنے والے کا عقیدہ یہی ہوتا ہے کہ جس کو وہ مدد کے لئے پکار رہا ہے وہ اس کی فریاد سننے پر قادر ہے، وہ عالم الغیب ہے اور وہ کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار رکھتا ہے حالانکہ یہ تمام صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں جو صرف اس کے ساتھ خاص ہیں۔ اسی لئے فقہ حنفی میں اس امر کو شرک و کفر سے تعبیر کیا گیا ہے اور حنفی بزرگوں نے اسی بنا پر یا شنیخ عِبْدُ الْقَادِرِ شَيْنًا لِلَّهِ کو ناجائز، کفر اور شرک لکھا ہے۔

چنانچہ قاضی ثناء اللہ حنفی پانی پتی فرماتے ہیں: ”آنچه جمال می گویند یا شیخ عبدالقادر جیلانی شینا لله، یا خواجه شمس الدین پانی پتی شینا لله جائز نیست، شرک و کفر است۔“ (ارشاد الطالبین: ص: ۱۸)

اور مولانا عبدالحی حنفی لکھنوی لکھتے ہیں کہ اس وظیفے سے احتراز لازم و واجب ہے بعض فقہاء نے اس پر کفر تک کا اطلاق کیا ہے۔ نیز اس وظیفے کے پڑھنے والے کے دل میں یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ بزرگ، عالم الغیب اور صاحب اختیار ہے اور یہ عقیدہ شرک ہے۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے:

”ازیں چنین وظیفہ احتراز لازم و واجب۔ اولاً ازیں جہت کہ ایں وظیفہ متضمن شینا لله است و بعض فقہاء ازما ہیچو لفظ حکم کفر کردہ اند چنانکہ در دُر مختاری نو۔ سند ((کذا قول شنی للہ قبل یکفر۔ انتہی..... ثانیاً ازیں جہت کہ ایں وظیفہ متضمن است ندائے اموات را از اکنہ بعیدہ ندار بشنوند۔ البتہ سماع اموات سلام زائر قبر را ثابت است بلکہ اعتقاد ایں کہ کسی غیر حق سبحانہ، حاضر و ناظر و عالم خفی و جلی در ہر وقت دہر آن است اعتقاد شرک۔ در فتاویٰ بزاز یہ می نو۔ سند ((تَزَوَّجْ بِلَا شَہُودٍ وَقَالَ)) خدائے و رسول خدا و فرشتگان را گواہ کردہ ام ((يُكْفَرُ لِأَنَّهُ اعْتَقَدَ أَنَّ الرَّسُولَ وَالْمَلَكَ يَعْلَمَانِ الْغَيْبَ وَقَالَ عُلَمَاءُنَا مَنْ قَالَ إِنَّ أَرْوَاحَ الْمَشَائِخِ حَاضِرَةٌ تَعْلَمُ يَكْفَرُ)) انتہی و حضرت شیخ عبدالقادر اگرچہ از اجلہ اولیاء امت محمدیہ اند و مناقب و فضائل شان ((لا تعدو لا تحصی)) اند لیکن چنین قدرت شان کہ فریاد را از اکنہ بعیدہ بشنوند و بہ فریاد رسند ثابت نیست و اعتقاد ایں کہ آں جناب ہر وقت

حال مریدانِ خودی داند و ندائے شان می شنوند از عقائد شرک است۔“ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی، ۳/۳۴)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”بدانکہ دریں مقام منزلۃ الاقدام بسیارے افتادہ اند در شافع مشفوع الیہ فرق نہ کردہ اند می گویند یا شیخ عبدالقادر جیلانی شینا اللہ۔ یعنی ”اے شیخ عبدالقادر جیلانی چیزے از برائے خدا بدہ۔ دریں کلام خدائے تعالیٰ را شفیع گردانیدہ اند و حضرت شیخ رادہ بندہ و حقیقت بالعکس می نماید۔“ (البلاغ المبین، ص: ۱۱۳-۱۱۵، طبع لاہور)

”جاننا چاہیے یہ بہت سے لوگوں کے پھسل جانے کا مقام ہے، انہوں نے سفارش کرنے والے اور جس کی طرف سفارش کی جائے۔ ان دونوں میں فرق نہیں سمجھا۔ کہتے ہیں ”یا شیخ عبدالقادر جیلانی اللہ کے لئے کچھ دے“ اس کلام میں انہوں نے اللہ کو سفارشی بنایا اور حضرت شیخ کو دینے والا۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس معلوم ہوتی ہے۔“ (ترجمہ: ”البلاغ المبین“ طبع ملتان، ص: ۱۱۳)

اس طرح کی استدوا (مدد طلب کرنے) کو، جو وظیفہ مذکور «شَیْنًا لِلّٰہ» میں کی گئی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ کی توہین قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ اس کے بعد لکھتے ہیں: ”ازیں جادریافت شد کہ بواسطہ خدا از مخلوق حاجت خواستن خصوصاً از عالمیان غیب گویا خدا را بے چارا دانستن و مخلوق را توانا و دانا پنداشتن است۔“ («معاذ اللہ من ذالک»)۔۔۔ (البلاغ المبین فارسی، ص: ۱۱۵)

یعنی ”اس سے ثابت ہوا کہ زندہ و غیر زندہ مخلوق کے پاس اللہ تعالیٰ کو شفیع بنا کر لانا یا اس کا واسطہ دے کر مخلوق سے حاجت روائی چاہنا گویا خدا کو عاجز سمجھنا اور مخلوق کو توانا تر جاننا ہے («معاذ اللہ من ذالک») (ترجمہ اردو، ص: ۱۱۴)

قبر پرستوں کا شرک صریح..... ایک نمونہ

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو فوت شدہ بزرگوں کو صرف بطور ”وسیلہ“ پکارتے ہیں۔

ہمارا عقیدہ یہ نہیں ہوتا کہ وہ خدائی صفات سے متصف ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ محض تکلف ہے خدائی صفات تسلیم کئے بغیر ان کو مافوق الاسباب طریق سے پکارنے کا کوئی مفہوم ہی نہیں رہتا۔ تاہم اتمام حجت کے طور پر ہم مخاطبین کے مشہور رسالے سے ایک نظم پیش کرتے ہیں جس میں شیخ عبدالقادر جیلانی کے اندر تمام خدائی صفات کا اثبات کیا گیا ہے جس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ قبر پرست چاہے تاویلات کے کیسے ہی حسین غلاف چڑھالیں۔ الفاظ کے خوب مینا بازار سجالیں اور کیسے ہی خوش کن عنوانات اختیار کر لیں، لیکن ان کا عقیدہ و عمل صریحاً مشرکانہ ہے۔ لیجئے! ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر نظم ملاحظہ فرمائیے:

<p>خدا کے فضل سے ہم پر ہے سایہ غوث اعظم کا ہماری لاج کس کے ہاتھ ہے بغداد والے کے جماں تاجراں گرداب سے فوراً نکل آیا گئے اک وقت میں ستر مریدوں کے یہاں آقا شفا پاتے ہیں صدا جاں بلب امراض ملک سے بلاد اللہ ملکی تحت حکمی سے یہ ظاہر ہے محکمى نافذ فی کل حال سے ہوا ظاہر ہوا موقوف فوراً ہی برسا اہل محفل پر جو حق چاہے وہ یہ چاہیں، جو یہ چاہیں وہ حق چاہے قیہوں کے دلوں سے دھو دیا ان کے سوالوں کو وہ کہہ کر قم باذن اللہ جلا دیتے تھے مردوں کو فرشتے مدرسے تک ساتھ پہنچانے کو جاتے تھے لعاب اپنا چٹایا احمد مختار نے، ان کو رسول اللہ نے خلعت پہنایا برسر مجلس ہمارا ظاہر و باطل ہے ان کے آگے آئینہ</p>	<p>ہمیں دونوں جہاں میں ہے سارا غوث اعظم کا بلائیں ٹال دینا کام کس کا، غوث اعظم کا وظیفہ جب انہوں نے پڑھ لیا یا غوث اعظم کا سمجھ میں آ نہیں سکتا معمہ غوث اعظم کا عجب دارالشفاء ہے آستانہ غوث اعظم کا کہ عالم میں ہر اک شے پر ہے قبضہ غوث اعظم کا تصرف انس و جن سب پر ہے آقا غوث اعظم کا جو پایا ابر باراں نے اشارہ غوث اعظم کا تو مٹ سکتا ہے پھر کس طرح چاہا غوث اعظم کا دلوں پر ہے بنی آدم کے قبضہ غوث اعظم کا بہت مشہور ہے احیائے موتی غوث اعظم کا یہ دربار الہی میں ہے رتبہ غوث اعظم کا تو پھر کیسے نہ ہوتا، بول بالا غوث اعظم کا بجے کیونکر نہ پھر عالم میں ڈنکا غوث اعظم کا کسی شے سے نہیں عالم میں پردہ غوث اعظم کا</p>
--	---

نظم کا ایک ایک شعر ملاحظہ فرما لیجئے کہ کس فراخ دلی سے تمام خدائی صفات کا اثبات ایک فوت شدہ بزرگ کے حق میں کیا گیا ہے۔ (فنعوذ باللہ من هذه الهفوات)

کیا غائب کو پکارنا شرک نہیں... واقعہ ((يَا سَارِيَةَ الْجَبَلِ)) کی حقیقت

بعض لوگ کہتے ہیں کہ غائب کو پکارنا، اگر شرک و بدعت ہوتا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت ساریہ کو نہ پکارتے جو ایران میں نہاوند کے علاقے میں مصروف جہاد تھے۔ ”جہاں تک حضرت عمر کے واقعہ ((يَا سَارِيَةَ الْجَبَلِ)) کا تعلق ہے، یہ واقعہ اول تو محققین کے نزدیک سنداً صحیح نہیں۔ تاہم بعض علماء اسے سنداً حسن قرار دیتے ہیں، اگر اسے واقعی حسن تسلیم کر لیا جائے، تو روایت ضرور قابل قبول قرار پا جائے گی۔ لیکن پھر بھی یہ واقعہ بطور کرامت ہی ہے جس سے کسی مسئلے کے اثبات کے لئے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ کیوں کہ معجزہ اور کرامت یہ انسان کے اختیاری فعل نہیں۔ یہ اللہ کی مشیت کے تحت صادر ہوتے ہیں، اسی لئے کوئی نبی محض اپنے اختیار سے اللہ کی مشیت کے بغیر معجزہ صادر کر کے نہیں دکھا سکتا اور کوئی ولی کسی کرامت کا اظہار نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کے ہاں یہ اصول مسلمہ ہے کہ معجزہ اور کرامت سے استدلال جائز نہیں۔

اس لئے ((يَا سَارِيَةَ الْجَبَلِ)) کے واقعے سے استدلال بڑا عجیب اور اہل سنت کے مسلمہ اصول کے خلاف ہے۔ البتہ حضرت ساریہ کے واقعے میں اگر مزید غور کیا جائے تو اس سے یہ پہلو مزید واضح ہو جاتا ہے کہ دورِ خیر القرون میں مصیبت کے وقت فوت شدہ یا نظروں سے غائب بزرگوں کو مدد کے لئے پکارنے کا کوئی تصور نہیں تھا، ورنہ حضرت ساریہ، جو دشمن کے زرعے میں گھر گئے تھے، رسول اللہ ﷺ کو یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مدد کے لئے ضرور پکارتے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ کیوں کہ اس دور میں اس شرک کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ وہ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اس لشکر کی مدد فرمائی تھی جو نہاوند میں حضرت ساریہ کی سرکردگی اور قیادت میں کافروں کے خلاف صف آراء تھا۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے يَا سَارِيَةَ الْجَبَلِ (اے ساریہ پہاڑ کے دامن میں پناہ لو) کے الفاظ نہ صرف

کھلوائے بلکہ معجزانہ طور پر یہ الفاظ سینکڑوں میل کے فاصلے کے باوجود حضرت ساریہ کے کانوں تک پہنچا دیئے۔

ایک مجہول الحال آدمی کے خواب سے استدلال

ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قحط واقع ہو گیا۔ ایک صحابی حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ، نبی اکرم ﷺ کے مزار پر انوار پر حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے پانی مانگئے کیوں کہ وہ ہلاک ہو رہی ہے، تو ایک مرد ان (حضرت بلال بن حارث) کے خواب میں آئے (اور الاستیعاب کے الفاظ یہ ہیں کہ): ”خواب میں نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ”(حضرت) عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ لوگوں کے لئے بارش کی دعا کریں انہیں بارش دی جائے گی اور انہیں کہو کہ احتیاط کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو۔“ وہ صاحب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ماجرا بیان کیا۔ راوی کہتے ہیں کہ (حضرت) عمر رضی اللہ عنہ رو دیئے اور کہا: ”یا اللہ (جل جلالک) میں اپنی بساط بھر کو تباہی نہیں کرتا۔“

یہ واقعہ بلاشبہ حدیث کی ایک کتاب مصنف ابن ابی شیبہ (ج: ۱۲، ص: ۲۳) اور (فتح الباری، ۲/۴۹۵، کتاب الاستسقاء باب سوم) میں درج ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس کی بابت کہا ہے: ((وروی عن ابن ابی شیبہ باسناد صحیح من روایۃ ابی صالح السمان عن مالک الداری..... الخ)) ”اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ ابو صالح السمان عن مالک الداری کے حوالے سے بیان کیا ہے۔“ لیکن تین وجوہ سے یہ واقعہ ناقابل استدلال ہے:

(۱) یہ قصہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ واقعے کا اصل راوی مالک الداری ہے جو مجہول ہے جب تک اس کی عدالت اور ضبط کا علم نہیں ہو گا۔ یہ واقعہ ساقط الاعتبار ہو گا۔ حافظ ابن حجر نے جو یہ کہا ہے: ((باسناد صحیح من روایۃ ابی صالح السمان)) تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سنداً ابو صالح السمان تک یہ روایت صحیح ہے۔ مالک الداری کے حالات کا چونکہ حافظ ابن حجر کو علم نہیں ہو سکا تھا اس لئے انہوں نے اس کی بابت خاموشی اختیار کر کے ابو

صالح تک سلسلہ سند کو صحیح قرار دے دیا، مقصد یہ تھا کہ مالک الداری کی عدالت وضبط کی بھی اگر توثیق ہو جائے تو یہ روایت بالکل صحیح ہوگی۔ بصورت دیگر غیر صحیح۔ ان کی تصحیح کا مطلب پوری سند کی تصحیح نہیں ہے اگر پوری سند ان کے نزدیک صحیح ہوتی تو وہ اس طرح کہتے: ((عن مالک الداری واسنادہ صحیح)) لیکن حافظ ابن حجر نے اس طرح نہیں کہا۔ اس لئے جب تک واقعہ کے اصل راوی۔۔۔ مالک الداری کی توثیق ثابت نہیں ہوگی، یہ واقعہ ناقابل حجت ہوگا۔

(۲) یہ قصہ سنداً صحیح ہو تب بھی حجت نہیں اس لئے کہ مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت کا ایک آدمی پر مدار ہے جو نامعلوم اور مجہول ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سیف بن عمر کے حوالے سے اُس نامعلوم آدمی کا نام بلال بن الحارث (صحابی) بتلایا ہے حالانکہ سیف بن عمر خود محدثین کے نزدیک بالاتفاق ضعیف ہے بلکہ اس کی بابت یہاں تک کہا گیا ہے کہ وہ ثقہ راویوں کے نام سے من گھڑت حدیثیں بیان کرتا تھا۔ ایسے کذاب و وضاع راوی کے بیان پر یہ کس طرح باور کیا جاسکتا ہے کہ نبی ﷺ کی قبر پر جا کر عرض گزار ہونے والے ایک صحابی بلال بن الحارث المزنی تھے؟

(۳) بالخصوص جب کہ مستند اور صحیح روایات سے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ طرز عمل ثابت ہے کہ انہوں نے قحط سالی کے موقع پر نبی ﷺ کی قبر مبارک پر جا کر استغاثہ نہیں کیا بلکہ کھلے میدان میں نماز استسقاء کا اہتمام کیا جو ایک مسنون عمل ہے اور اس میں زندہ بزرگ عثم رسول حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دُعا کروائی۔ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کا ہے۔ اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قحط پڑا تو انہوں نے بھی ایک اور صحابی رسول سے دُعا کروائی۔ ان مستند واقعات اور اکابر صحابہ کے طرز عمل کے مقابلے میں ایک غیر مستند روایت اور وہ بھی خواب پر مبنی، نیز مجہول شخص کے بیان کو کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ مذکورہ وجوہ سے گانہ کی وجہ سے مصنف ابن ابی شیبہ کی یہ روایت کسی طرح بھی قابل استدلال نہیں رہتی۔ تاہم اگر اسے کسی درجہ میں قابل حجت تسلیم کر لیا جائے تب بھی اس روایت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے اس آدمی کو یہی ہدایت کی کہ حضرت عمر

ﷺ کے پاس جا کر کہو کہ وہ لوگوں کو ساتھ لے کر دُعا کریں یعنی نمازِ استسقاء کا اہتمام کریں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ نبی ﷺ نے قبر پر آنے والے شخص کو یہ نہیں کہا کہ اچھا میں تمہارے لئے دُعا کرتا ہوں یا کروں گا یا تم لوگ میری قبر پر جمع ہو کر آؤ بلکہ آپ نے دُعا کا مسنون طریقہ اختیار کرنے کی تلقین کی۔

”الادب المفرد“ کی ایک روایت سے استدلال اور اس کی حقیقت

ایک اور دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ مصیبت اور تکلیف کے وقت پکارنے کے بارے میں ”الادب المفرد“ ص: ۱۴۲ میں ’زیر عنوان‘ (باب ما یقول الرجل اذا خدرت رجله) لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں ٹن ہو گیا تو ایک آدمی نے انہیں کہا کہ ایسے انسان کو یاد کیجئے جس کے ساتھ آپ کو سب سے زیادہ محبت ہے تو انہوں نے پکارا ((یا مُحَمَّد)) (اور ان کی تکلیف دُور ہو گئی)

سنداً یہ واقعہ بھی صحیح نہیں، تاہم فی الحال اس کی سند کی بحث سے قطع نظر مسئلہ زیر بحث سے اس واقعے کا کوئی تعلق نہیں کیوں کہ بحث تو ہے فوت شدگان کو مدد کے لئے پکارنا جائز ہے یا نہیں۔ جب کہ مذکورہ واقعے میں جسمانی تکلیف کا ایک نفسیاتی علاج بتلایا گیا ہے جسے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اختیار فرمایا انہوں نے ((محمد)) یا ((یا محمد)) (بہ اختلاف روایات) اس عقیدے کے تحت نہیں پکارا کہ آپ ان کی فریاد سن لیں گے اور پھر مدد فرمادیں گے بلکہ کسی نے پیروں کے ٹن ہو جانے کا یہ علاج بتلایا کہ اپنے سب سے زیادہ محبوب شخص کا نام لو، تو یہ تکلیف دُور ہو جائے گی۔

اس کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ محبوب کے ذکر سے انسان کے دل میں حرارت اور نشاط کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، جس سے منجمد خون رواں ہو کر رگوں میں دوڑنا شروع کر دیتا ہے اور یوں ٹن والی کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اور واقعات بھی ایسے ملتے ہیں جن میں لوگوں نے اپنے محبوب یا محبوبہ کا نام لیا تو ان کا پیروں کا ٹن پتا ختم ہو گیا۔

ملاحظہ ہو: (الفتوحات الربانیہ علی الاذکار النوایہ، ج: ۳، ص: ۲۰۰، محمد بن علان

الصدیقی۔ فضل اللہ الصمد فی توضیح الادب المفرد، فضل اللہ الجیلانی، ج: ۲، ص: ۲۴۱، المكتبة الاسلامیہ، حمص، اس کا مطلب یہ ہوا کہ پیر سُن ہونے کی صورت میں اپنے کسی محبوب کا نام لینا اور اُسے محبت سے یاد کرنا، یہ اس مرض کا نفسیاتی علاج ہے، اس کا فوت شدگان سے استغاثہ و استدعا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ندا کے لئے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ”منادئ“ ضرور سامنے ہو یا وہ ندا کو سنے بلکہ بعض دفعہ اپنے جذبات کے اظہار اور دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے بھی ”منادئ“ کو اپنے ذہن میں مستحضر کر کے خطاب کر لیا جاتا ہے، یہاں بھی یہی صورت ہے۔ ایسے حضرات کی دو اور ”دلیلیں“ ملاحظہ فرمائیں جن سے انہوں نے مُردوں سے مدد مانگنے کے جواز پر استدلال کیا ہے، کہتے ہیں کہ ”حضرت عزرائیل علیہ السلام مُردوں کو پکاریں گے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے مُردہ پرندوں کو پکارا۔“

غور فرمائیے! یہ کیا ”دلیلیں“ ہیں؟ ان کو ”دلیل“ کہا جاسکتا ہے؟ بھلا ان سے کوئی پوچھے، حضرت عزرائیل مُردوں کو پکاریں گے تو کیا اُن سے مدد طلب کرنے کے لئے صور پھونکیں گے؟ قیامت کے صور پھونکنے کو یہ باور کرانا کہ حضرت عزرائیل بھی مُردوں کو پکاریں گے لہذا تم بھی مُردوں کو مدد کے لئے پکار سکتے ہو۔ بڑا ہی عجیب استدلال ہے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پرندوں کو پکارنا، کیا اُن سے مدد طلب کرنے کے لئے تھا؟ یا اپنے اطمینان قلب کے لئے مُردوں کو زندہ ہوتے دیکھنے کے لئے تھا؟ اس سے یہ استدلال کرنا کہ مُردوں کو پکارنا جائز ہو گیا، لہذا اے مسلمانو! تم بھی مدد کے لئے مُردوں کو پکارو!“ قرآن فہمی کا عجیب و غریب شاہکار ہے۔

پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی
جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

اسی طرح یہ لوگ قرآن کریم کی متعدد آیات سے استدلال کرتے ہیں جن میں کسی نہ کسی طرح ”پکار“ کا مضمون ہے۔ مثلاً: نوح علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے فریاد:

﴿رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لِنَارٍ وَنَهَارًا﴾ (نوح ۷۱/۵)

”اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات اور دن پکارا (توحید کی دعوت دی۔)“

دیگر انبیاء کا اپنی قوموں کو پکارنا، اللہ کا پکارنا:

﴿وَاللَّهُ يَدْعُوا إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ﴾ (یونس ۲۵)

”اللہ تعالیٰ دارالسلام کی طرف پکارتا ہے۔“

بتلائیے! ان آیات کا کوئی تعلق اس ”پکار“ سے ہے جو مابہ النزاع ہے؟ پھر ان آیات کے جمع کرنے کا کیا فائدہ؟ اصل اختلاف تو اس ”پکار“ میں ہے جو مافوق الاسباب طریقے سے کسی مُردہ کو مشکل کشائی اور مدد حاصل کرنے کے لئے پکارا جاتا ہے۔ یہ شرک ہے کیوں کہ اس طریقے سے کسی مُردہ کو پکارنا، یہ اس کی عبادت ہے اور عبادت اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں۔ اور یہ ایسی بات ہے کہ یہ خود بھی مانتے ہیں چنانچہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ: ”اللہ تبارک و تعالیٰ جس بات کی ممانعت فرماتا ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہ کے ساتھ کسی کو ”إِلٰه“ معبود۔۔۔۔۔ ”عبادت کے لائق“ سمجھ کر نہ پکارا جائے۔“

بالکل یہی بات ہم کہتے ہیں، پھر اختلاف کیوں؟ اختلاف یہ ہے کہ یہ حضرات یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ کسی کو معبود سمجھ کر نہ پکارا جائے لیکن یہ تسلیم نہیں کرتے کہ کسی فوت شدہ بزرگ کو مافوق الاسباب طریقے سے مدد کے لئے پکارنا، اُس سے دُعائیں کرنا، اس کے نام کی نذر و نیاز دینا، اس سے نفع و ضرر کی امید رکھنا یہ اس کو ”إِلٰه“ اور ”معبود“ ہی بنانا ہے اور یوں وہ اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں کیوں کہ دُعا بھی عبادت ہے، نذر و نیاز بھی عبادت ہے جو اللہ کے ساتھ دوسروں کے لئے بھی کرتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ سے بھی دُعائیں کرتے ہیں مُردہ بزرگوں سے بھی دُعائیں کرتے ہیں، اللہ کے نام کی نذر و نیاز بھی دیتے ہیں اور بزرگوں کے ناموں کی بھی نذر و نیاز دیتے ہیں۔ اللہ سے بھی نفع و ضرر کی امید رکھتے ہیں اور فوت شدہ بزرگوں سے بھی مافوق الاسباب نفع و ضرر کی امید رکھتے ہیں۔ اللہ کو بھی عالم الغیب مانتے ہیں اور اللہ کے نبیوں اور ولیوں کو بھی عالم الغیب مانتے ہیں۔ اللہ کو بھی دُور اور نزدیک سے فریادیں سننے والا تسلیم کرتے ہیں اور بزرگوں کے اندر بھی یہ

قوت یا صفت تسلیم کرتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ شرک اسی چیز کا نام ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی عبادت میں شریک کر لیا جائے، یا اللہ کی صفات میں سے کوئی اور صفت کسی اور میں تسلیم کر لی جائے اور مذکورہ افعال سارے ایسے ہیں کہ ان میں یا تو اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت ہوتی ہے یا اللہ کی صفت میں مردودہ بزرگوں کو شریک سمجھا جاتا ہے۔ یہ حضرات اس شرک صریح کا ارتکاب کرتے ہیں یعنی اللہ کے ساتھ دوسروں کی عبادت بھی کرتے ہیں یا اللہ کی صفات بزرگوں میں مانتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ہم تو شرک نہیں کرتے، کیونکہ شرک تو اس وقت ہوتا ہے جب ہم انہیں معبود سمجھ کر پکارتے۔ حالانکہ جب ان کے اندر الٰہی صفات تسلیم کر لی گئیں یا اللہ کی طرح ان کو حق عبادت میں شریک کر لیا گیا تو وہ ”معبود“ بن گئے۔ آپ انہیں معبود کہیں یا نہ کہیں، جب معبود والی چیزیں ان کے لئے مان لی گئیں تو وہ ”معبود“ از خود بن گئے۔ جس طرح پتھر کی مورتی کی پوجا کرنے والا بھی اس (مورتی) کو خدا یا معبود نہیں سمجھتا بلکہ اسے اللہ کا مظہر یا اوتار سمجھ کر اس سے دُعا میں کرتا ہے اس کے نام پر چڑھاوے چڑھاتا ہے یعنی نذر دیتا ہے۔ اس سے نفع و ضرر کی امیدیں رکھتا ہے اور اسے فریاد رس اور حاجت روا سمجھتا ہے۔ مسلمان اس کے بارے میں عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ مشرک ہے۔ کیوں کہ پتھر کی مورتی کی پوجا کرتا ہے حالانکہ وہ اسے معبود نہیں سمجھتا اور نہ معبود سمجھ کر اسے پکارتا ہی ہے۔ اسکے باوجود وہ مشرک ہے۔ کیوں؟ اسلئے کہ وہ مورتی کو معبود سمجھتا ہے یا نہیں سمجھتا، لیکن اسکے ساتھ اس پجاری کا معاملہ وہی ہے جو ایک عابد اور معبود کے درمیان ہوتا ہے۔ اسلئے وہ یقیناً مشرک ہے۔

لیکن یہی مسلمان قبروں کے ساتھ یا مردہ بزرگوں کے ساتھ یہی کچھ کرتا ہے تو کہتا ہے یہ شرک نہیں، کیوں کہ میں اسے معبود سمجھ کر نہیں پکارتا۔ اگر یہ دلیل صحیح ہے اور اس طرح شرک، شرک نہیں رہتا تو پھر ہندو بھی مشرک نہیں رہتا کیوں کہ وہ بھی مورتی کو معبود نہیں سمجھتا ہے۔ مشرکین مکہ بھی مشرک نہیں، کیوں کہ وہ بھی لات و غزئی اور منات و ہبل کو معبود نہیں سمجھتے تھے وہ بھی ان کو اللہ کا وسیلہ اور ذریعہ تقرب سمجھتے تھے۔ (جیسا

کہ خود قرآن نے اس کی وضاحت کی ہے۔ قوم نوح جن پانچ بتوں کو پوجتی تھی وہ بھی معبود نہیں تھے۔ اللہ کے نیک بندے ہی تھے (جیسا کہ صحیح بخاری میں صراحت موجود ہے) اس لحاظ سے تو قوم نوح نے بھی شرک کا ارتکاب نہیں کیا اور قرآن دیگر مشرکوں کے بارے میں بھی کہتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادُ أَمْثَلُكُمْ﴾ (الاعراف ۷/۱۹۴)

”جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تم جیسے ہی بندے ہیں۔“

گویا کسی دور میں بھی ایسے شرک کا وجود نہیں رہا کہ جس میں غیر اللہ کو معبود سمجھ کر پکارا گیا ہو بلکہ ہر دور میں شرک کی نوعیت یہی رہی ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کی ہی تصویریں، مورتیں، یا قبریں یہ سمجھ کر پوجی جاتی رہی ہیں کہ یہ اللہ کے نیک بندے تھے، وفات کے بعد اللہ سے ان کا ”وصال“ ہو گیا ہے اور یہ اب اللہ کے مظہر یا اوتار ہو گئے ہیں، ان کے ذریعے ہی سے ہم اللہ کا قرب حاصل کر سکتے ہیں، ان کے وسیلے ہی سے ہماری دعائیں اور التجائیں سنی جاسکتی ہیں اور ان کے نام نذر و نیازیں دے کر ہی ہم اللہ کو راضی کر سکتے ہیں۔

قرآن نے اسی عقیدہ و عمل کو شرک کہا ہے اور اس کے مرتکبین کو مشرک، اگر قرآن کریم کی صراحت صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے نیز ان حضرات کا عقیدہ و عمل بھی وہی ہے جو گذشتہ مشرک قوموں کا عقیدہ رہا ہے۔ تو ان کا شرک، شرک کیوں نہیں؟ محض عنوان بدل دینے سے تو شرک کی ماہیت و حقیقت تبدیل نہیں ہو جائے گی۔ جب ان لوگوں کا عقیدہ و عمل بھی فوت شدگان کے ساتھ وہی ہے جو مشرک قوموں کا اپنے بتوں کے ساتھ رہا ہے تو پھر دونوں کے درمیان فرق و امتیاز کس طرح کیا جاسکتا ہے اور یہ کیوں کر قرینِ عدل ہو سکتا ہے کہ ایک کو تو مشرک قرار دیا جائے، جب کہ دوسرا شخص بھی وہی کچھ کرے تو اسے مشرک تسلیم کرنے سے گریز کیا جائے۔ ﴿تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَى﴾

”عبادت“ کسے کہتے ہیں اور ”معبود“ کون ہوتا ہے؟

ایک صاحب لکھتے ہیں: ”مسجدوں میں يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ کہنے سے

روکنے والے حضرات سورہ جن کی آیت: ۱۸ بھی پیش کرتے ہیں:

﴿وَأَنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾ (الجن ۷۲/۱۸)

”اور یہ کہ مسجدیں اللہ (تبارک وتعالیٰ) کے لئے ہیں لہذا ان میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔“

تفہیم القرآن میں مودودی صاحب نے اس آیت کی تشریح میں لکھا ہے کہ ”مفسرین نے بالعموم ”مساجد“ کو عبادت گاہوں کے معنی میں لیا ہے اور اس معنی کے لحاظ سے آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ عبادت گاہوں میں اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کی جائے۔ آیت قرآنی کا مقصد و تدعا بھی حقیقۃً یہی ہے، مودودی صاحب کے پیروکاروں کو اور دیگر دیوبندی اور اہل حدیث حضرات کو فہم و فراست سے کام لینا چاہیئے اور ارشاد خداوندی کو سمجھنا چاہیئے۔ خواہ مخواہ کفر و شرک و بدعت کے فتوے لگا کر اپنی عاقبت کو خراب نہیں کرنا چاہیئے..... تَدْعُوا کا معنی تَعْبُدُوا یعنی بندگی یا عبادت آتا ہے..... اللہ (تبارک وتعالیٰ) کے ساتھ کسی کو نہ پکارو یعنی کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو۔“

اس اقتباس میں ایک تو یہ مخلصانہ مشورہ دیا ہے کہ خواہ مخواہ شرک و بدعت کے فتوے لگا کر اپنی عاقبت خراب نہیں کرنی چاہیئے کیوں کہ حدیث کے مطابق بلاوجہ کسی مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر قرار پاتا ہے۔ یہ مخلصانہ مشورہ بالکل بجا ہے۔ الحمد للہ ہم اس پر پہلے ہی عمل پیرا ہیں۔ ہم خواہ مخواہ شرک و بدعت کے فتوے لگا کر اپنی عاقبت خراب کرنا نہیں چاہتے لیکن جہاں فی الواقع شرک ہو رہا ہو اس کی نشاندہی کرنا اور مسلمانوں کو اس سے آگاہ کرنا تو وہ ضروری فریضہ ہے کہ اس میں مداہنت کا مظاہرہ کرنے والا گونگا شیطان قرار پاتا ہے۔ ((السَّامِیْتُ عَنِ الْحَقِّ شَيْطَانٌ أَخْرَسٌ)) ”حق بات سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے۔“

ہماری خواہش اور کوشش ہے کہ مسلمان مُشرکانہ عقائد و اعمال سے تائب ہو جائیں جن میں وہ بد قسمتی سے مبتلا ہیں، کیوں کہ شرک ایسا ظلم عظیم ہے جو ناقابلِ معافی ہے۔ اِلَّا یہ کہ آدمی دنیا ہی میں اس سے سچی توبہ کر لے۔ مسلمان عوام کے شرک پرستی کے مظاہر ہی ہمیں بے چین اور مضطرب رکھتے ہیں اور ان کی خیر خواہی ہی کا جذبہ ہے جو ہمیں حق گوئی کا

فریضہ ادا کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ جراح یا سرجن کے آپریشن سے مریض کو تکلیف ضرور ہوتی ہے لیکن مریض کی خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ وہ آپریشن کے ذریعے سے گندا مواد یا فاضل مواد باہر نکال پھینکے کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ اس کے بغیر مریض کی صحت یابی ممکن نہیں۔ اہل توحید شرک و بدعت کے خلاف یہی عمل جراحی کرتے ہیں جس سے مریض کراہتا اور چیختا ہے تاہم علمائے اہل توحید مسلمان عوام کے سچے خیر خواہ ہیں اور وہ اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہیں اور عوام کی ناراضی کے باوجود انہیں شرک و بدعت جیسے خطرناک امراض سے بچانے میں کوشاں ہیں۔ (جزاہم اللہ و کثر اللہ فینا امثالہم)

دوسری بات موصوف نے یہ فرمائی ہے کہ ”اللہ کے سوا کسی کو مت پکارو۔“ کا مطلب ہے ”اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔“ یہ بات بھی بالکل صحیح اور بجا ہے اور آیت میں پکار کا فی الواقع یہی مطلب ہے کیوں کہ مطلق پکار عبادت نہیں ہے بلکہ وہ پکار عبادت ہے جو کسی کو مافوق الاسباب طریقے سے مدد کے لئے ہو۔ اگر اللہ کو پکارا جائے گا یعنی اس سے مدد کی درخواست کی جائے گی تو یہ اللہ کی عبادت ہوگی، کسی پتھر کی مورتی کو پکارا جائے گا یعنی اس سے مدد طلب کی جائے گی تو اس مورتی کی پوجا (عبادت) ہوگی، قبر میں مدفون کسی شخص کو پکارا جائے گا یعنی اس سے استغاثہ و استعانت کی جائے گی تو یہ اس بزرگ کی عبادت ہوگی۔

اس لیے مسئلہ صرف یہ نہیں ہے کہ ”یا رسول اللہ“ کہنا جائز ہے یا نہیں، کیوں کہ اگر عقیدہ یہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ عالم الغیب، حاضر و ناظر اور سمیع و بصیر نہیں ہیں تو وہ ”یا رسول اللہ“ کہہ لے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں، جس طرح ((التحیات)) میں ((السلام علیک ایہا النبی)) کہا ہی جاتا ہے۔ اگر یہ حضرات بھی یہ تسلیم کر لیں کہ ہمارا عقیدہ بھی یہی ہے کہ عالم الغیب، حاضر و ناظر، سمیع و بصیر اور دور و نزدیک سے فریادیں سننے والا صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ہے، ہم کسی نبی، ولی اور بزرگ کے اندر یہ صفات الہی تسلیم نہیں کرتے تو یقیناً ان کا ”یا رسول اللہ“ کہنا شرک نہیں ہوگا۔ اسے بے تکی ترکیب ضرور کہا جائے گا لیکن اسے شرک سے تعبیر نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اصل بات یہی ہے کہ ان حضرات کا عقیدہ ہی

صحیح نہیں ہے، اس لیے ان کا ”یا رسول اللہ“ کہنا محض ((السلام علیک ایہا النبی)) کے قبیل سے نہیں ہے کہ جسے جائز تسلیم کر لیا جائے بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ عالم الغیب، حاضر و ناظر اور سمیع و بصیر ہیں، اس لئے جب ہم ”یا رسول اللہ“ کہتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ بھی ہماری اس ندا کو سنتے اور جانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسئلہ اب صرف ”یا رسول اللہ“ کہنے یا نہ کہنے کا نہیں رہا بلکہ اب یہ اپنے منطقی نتیجے تک پہنچ گیا ہے اور ”یا رسول اللہ مدد“ اور ”الممدد یا رسول اللہ“ کے اسکرز بھی عام ہو گئے ہیں۔

پہلے صرف ”یا علی مدد“ کا نعرہ عام تھا۔ اہل توحید نے اس کے مقابلے میں کوشش کی کہ مسلمانوں میں اس مشرکانہ نعرے کی بجائے ”یا اللہ مدد“ کا نعرہ عام ہو۔ چنانچہ انہوں نے ”یا اللہ مدد“ کے اسکرز عام کیے۔ مقصد اس کا یہ تھا کہ شیعوں کے ایجاد کردہ مشرکانہ نعرے سے اہل سنت کے سادہ لوح عوام کو بچایا جائے مگر بریلوی حضرات نے ”یا اللہ مدد“ کے مقابلے میں ”یا رسول اللہ مدد“ کے اسکرز چھپوا لیے اور یوں ایک ایسا نعرہ ایجاد کر لیا جس میں اللہ کی مدد کی بجائے اللہ کی ایک برگزیدہ مخلوق پیغمبر سے مافوق الاسباب طریقے سے مدد طلب کی جا رہی ہے۔

ان سے پوچھا جائے ”یا علی مدد“ یا ”یا رسول اللہ مدد“ کے نعروں کا کیا جواز ہے؟ کیا یہ نعرے لگانے والوں کا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ مافوق الاسباب طریقے سے، اور دور اور نزدیک سے ہماری فریادیں سن سکتے ہیں، ہماری مدد کر سکتے ہیں اور ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہیں اور کیا اس عقیدے کے ساتھ کسی کو پکارنا یہی اس کی عبادت نہیں ہے؟ کیا یہ ”عبادت“ مسجدوں میں نہیں ہو رہی ہے؟ اور کیا یہ ((وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا)) کے صریحاً خلاف نہیں ہے۔

ایک اسکر کا تجزیہ --- ایک دعوائے بلا دلیل

بزم خیر اندیش و سن پورہ لاہور کی طرف سے ایک اسکر چھپا ہے، جس میں لکھا گیا ہے:

”پکارو یا محمد (ﷺ) یا رسول اللہ، یا محمد، یا رسول اللہ (ﷺ) کہنے والا خوش نصیب ہے

اور شرک و بدعت کہنے والا منکر قرآن وحدیث ہے۔ امام بخاری اور دیگر محدثین لکھتے ہیں جب تکلیف اور پریشانی ہو تو پکارو: یا محمد، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم حوالہ غلط ثابت کرنے والے کو منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔“

ترتیب وار اسکا جواب اہل انصاف اور اہل دانش کے سامنے پیش کیا جاتا ہے:

(۱) یا محمد، یا رسول اللہ۔ اس کا اردو ترجمہ ہے۔ اے محمد ﷺ، اے رسول اللہ ﷺ۔ گویا اس میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب کیا گیا ہے۔ اگر یہ خطاب صرف بطور محبت کے ہے جس طرح بعض دفعہ ایک محبت اپنے محبوب کو اپنے ذہن میں مستحضر کر کے اور اس سے خطاب کر کے عالم شوق اور وارفتگی میں باتیں کرتا ہے، خطاب کرنے والے کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ حضور عالم الغیب ہیں یا حاضر و ناظر ہیں اور دور و نزدیک سے باتیں سننے پر قادر ہیں تو اس نعرے کو عشق و محبت کا ایک مظہر اور اس بنا پر اسے جائز تسلیم کیا جاسکتا ہے لیکن اگر کہنے والے کا عقیدہ ہی یہ ہے کہ آپ عالم الغیب، حاضر و ناظر اور ہماری فریادیں سننے پر قادر ہیں تو یہ کہنا خوش نصیبی نہیں انتہائی بد نصیبی ہے۔ اس طرح یقیناً وہ شرک و بدعت کا ارتکاب کرتا ہے، جسے خوش نصیبی وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو توحید و سنت سے نا آشنائے محض ہو۔

(۲) اے اہل توحید اسی بنا پر شرک و بدعت سے تعبیر کرتے ہیں کہ اس میں عقیدے کی وہی خرابی پائی جاتی ہے، جو انسان کو شرک تک لے جاتی ہے جس طرح کہ فی الواقع اب اس کا ظہور شروع ہو گیا ہے اور اب ”یا رسول اللہ“ سے معاملہ بڑھ کر ”یا رسول اللہ مدد“ تک پہنچ گیا ہے۔ اس لئے اہل توحید، شرک پر مبنی خود ساختہ نعروں کا انکار کر کے ”قرآن وحدیث کے منکر“ نہیں بنتے بلکہ قرآن وحدیث کے محافظ ہیں۔ (فللہ الحمد علی ذلک)

(۳) اسٹکر چھاپنے والوں نے دعویٰ تو یہ کر دیا ہے کہ حوالہ غلط ثابت کرنے والے کو منہ مانگا انعام دیا جائے گا لیکن ہم پورے یقین سے کہتے ہیں کہ انہوں نے الادب المفرد، تحفة الذاکرین (شوکانی)، کتاب الاذکار (نووی)، عمل الیوم والليلة (ابن السنی)، فتح الباری اور مصنف ابن ابی شیبہ، ان چھ کتابوں کا حوالہ دیا ہے لیکن کسی بھی کتاب میں یہ

الفاظ نہیں دکھائے جاسکتے کہ

”جب تکلیف اور پریشانی ہو تو پکارو: یا محمد، یا رسول اللہ“

پہلی چار کتابوں میں صرف وہ واقعہ بیان ہوا ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پیرئٹن ہو گئے تو کسی نے کہا کہ آپ ایسے شخص کو یاد کریں جس سے آپ کو سب سے زیادہ محبت ہو تو انہوں نے کہا: ”محمد“ یا ”یا محمد“ اس کے تحت مؤلف نے باب بھی جو باندھا ہے وہ بھی یہ ہے کہ ”جب کسی کے پیرئٹن ہو جائیں تو وہ کیا کرے؟“ کسی ایک کتاب میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں کہ ”جب تکلیف اور پریشانی ہو تو پکارو یا محمد، یا رسول اللہ۔“

اسی طرح آخری دو کتابوں میں صرف وہ واقعہ بیان ہوا ہے جس میں مالک الداری کے حوالے سے خواب میں ایک شخص کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جانے کے لئے کہا گیا ہے اور جس کی بابت ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ سنداً یہ واقعہ ہی صحیح نہیں ہے۔ علاوہ ازیں یہ صحیح احادیث میں بیان کردہ طریقے کے بھی خلاف ہے۔ گویا ان دو کتابوں میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں کہ: ”جب تکلیف اور پریشانی ہو تو پکارو: ”یا محمد، یا رسول اللہ“

یعنی چھ کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں اور کسی ایک کتاب میں بھی مذکورہ الفاظ نہیں ہیں اسلئے ہم اسلر کے مرتب یا اسکے ناشر سے عرض کریں گے کہ وہ ”محدثین“ کی طرف منسوب، الفاظ مذکورہ نکال کر دکھائیں یا پھر ہمیں منہ مانگا انعام دیں۔ ہمارا منہ مانگا انعام زیادہ نہیں، صرف ایک ہی بات ہے کہ مسلمان عوام کو صرف اللہ واحد کا پرستار رہنے دیں، انہیں غیر اللہ کا پرستار بنا کر انکی عاقبت خراب نہ کریں اور صرف ”یا اللہ مدد“ کے اسلر چھو کر تقسیم کریں تاکہ لوگ ”یا علی مدد“ یا ”یا رسول اللہ مدد“ جیسے مشرکانہ نعروں سے بچ جائیں۔

بسم اللہ کی باسے استمداد لغیر اللہ کا جواز؟

ایک اور صاحب نے بسم اللہ کی تفسیر میں بسم اللہ کی باسے استدلال کرتے ہوئے مسئلہ استعانت و استمداد پر حسب ذیل الفاظ میں خامہ فرسائی کی ہے:

”ان تمام ذرائع و اسباب سے استعانت کرے جن کی مدد خدا کے مالک و معین ہونے کی

نشاندہی کر رہی ہے لیکن اسباب و ذرائع کو کبھی بھی مقصد کا بدل نہ بنایا جائے۔ انسان کو چاہئے کہ ان سب ذرائع سے حاصل ہونے والے منافع و نقصانات میں بھی اصل نظر خدا ہی کی قدرتِ مطلقہ پر رکھے۔ اس لئے بسم میں نامِ حق سے استعانت کی تعلیم دے کر ذریعہ کی اہمیت بھی واضح کر دی گئی اور اس کی اضافت اللہ الرحمن الرحیم کی طرف کر کے حقیقتِ حال کو بھی بیان کر دیا گیا۔ اگر غور و خوض اور فہمِ صحیح کے ساتھ اس حقیقت کو بخوبی سمجھ لیا جائے تو مسئلہ استعانت و استمداد پر مذہبی حلقوں میں موجود علمی نزاع کافی حد تک مرتفع ہو سکتا ہے۔ ہندوستان کے دورِ آخر کے علماء محققین کی تحقیقات و تصریحات کا بھی مطالعہ کیا جائے تو مذکورہ بالا وضاحت کی تائید ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں دو علماء کے نقطہ ہائے نظر ملاحظہ ہوں۔ سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں ایساک بعد و ایساک نستعین کے تحت مولانا نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں: ”ایساک نستعین میں یہ تعلیم فرمائی کہ استعانت خواہ بواسطہ ہو یا بے واسطہ ہر طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ حقیقی مستعان وہی ہے باقی آلات و خدام و احباب وغیرہ سب عونِ الہی کے مظہر ہیں۔ بندے کو چاہئے کہ اس پر نظر رکھے اور ہر چیز میں دستِ قدرت کا کارکن دیکھے اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء و انبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے۔ عقیدہ باطلہ ہے کیوں کہ مقررانِ حق کی امداد امدادِ الہی ہے، استعانت بالغیر نہیں۔“

اب اسی آیت کے تحت متذکرہ بالا مفہوم کو مولانا محمود الحسن دیوبندی ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں: ”اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس ذاتِ پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمتِ الہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت اللہ ہی سے استعانت ہے۔“

آپ نے ملاحظہ فرمایا دونوں عبارات کا مفہوم و مدعا ایک ہی ہے۔ تسمیہ میں لفظ اسم کے استعمال سے بھی انسانوں کو یہی تعلیم دینا مقصود تھا کہ جملہ امورِ حیات میں مستعانِ حقیقی صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے لیکن اس عالم اسباب میں ہر مخلوق و موجود کو خلاقِ عالم نے اپنے فیضانِ رحمت اور اپنی مدد اعانت کے واسطہ و مظہر کے طور پر تخلیق کیا ہے۔ جو ہستی ذاتِ

حق کے جتنی قریب اور اسکے نورِ قدرت سے جتنی مستنیر ہوگی وہ اس قدر شانِ مظہریت میں بھی اعلیٰ واولیٰ ہوگی۔ لہذا کاروبارِ حیات میں مادی مسائل ہوں یا روحانی ان سے استفادہ و استمداد بھی کیا جائے کہ نظامِ کائنات کا اصول بھی یہی ہے اور ہر ایک کی اعانت میں کارساز حقیقی کے لطف و کرم پر بھی نظر رکھی جائے کہ تقاضائے بندگی یہی ہے۔“

ہماری گذارشات : اس اقتباس میں انہوں نے شرکِ جلی کی مروجہ صورتوں کو صحیح اور جائز ثابت کرنے کے لئے وہی گھسی پٹی باتیں دہرائی ہیں جو قبر پرست عام طور پر کہتے ہیں جن میں کوئی معقولیت نہیں بلکہ اس میں بھی عوام کی جہالت سے ناجائز فائدہ اٹھانے ہی کی رُوح کار فرما ہے۔

حالانکہ سوجھ بوجھ رکھنے والا ہر باشعور آدمی سمجھتا ہے کہ اسباب و ذرائع کے ماتحت ایک دوسرے سے تعاون و تناصر ایک الگ مسئلہ ہے اور ماورائے اسباب طریقے سے حاجت روائی اور مشکل کشائی الگ مسئلہ۔ اقل الذکر پر تو سارا نظامِ کائنات قائم ہے اور اس کے بغیر دنیا کا نظام چل ہی نہیں سکتا کوئی آدمی بھی دیگر انسانوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسباب کا نظام ہی ایسا قائم کیا ہے اور ایک دوسرے سے اس طرح مربوط کر دیا ہے کہ ایک لکھ پتی بلکہ ارب پتی اور کھرب پتی بھی جب تک اپنے علاوہ دوسرے انسانوں سے امداد و تعاون حاصل نہیں کرے گا، وہ زندگی میں ایک قدم بھی نہیں چل سکے گا، انبیاء علیہم السلام تک بھی ان اسباب و ذرائع کے مطابق ہی زندگی گزارنے پر مجبور رہے ہیں۔ اس لئے ان اسباب و ذرائع کی اہمیت و افادیت ان کی ہمہ گیری و ناگزیری اور ہر شخص کے لئے ان کی احتیاج و ضرورت محتاج وضاحت نہیں، نہ یہ مابہ التزاع ہے۔

اصل مسئلہ توجہ طلب جو ہے، وہ ہے ثانی الذکر صورت، یعنی ماورائے اسباب طریقے سے اللہ کے سوا کسی کو اپنا حاجت روا، مشکل کشا اور نافع و ضار سمجھنا۔ کیا یہ بھی بالکل اسی طرح ہے جس طرح ماتحت الاسباب کسی سے امداد و تعاون حاصل کرنا؟ ظاہرات ہے دونوں یکساں نہیں، انکے درمیان آسمان زمین کا فرق ہے، مشرق و مغرب کا بُعد ہے، رات اور دن کا ساقاوت ہے۔ استمداد و استعانت لغیر اللہ کی بحث میں ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب

کے عظیم اور نمایاں فرق کو نظر انداز کر کے مطلقاً اسباب و ذرائع کی افادیت و ناگزیری سے استدلال کرتے ہوئے یہ باور کرانا کہ فوت شدہ بزرگانِ کرام سے استمداد و استعانت (مدد چاہنا) اور ان سے حاجت روائی و مشکل کشائی کا طالب ہونا بھی جائز ہے اور اس کو شرک کہنا عقیدہ باطلہ ہے، جس طرح کہ مذکورہ اقتباسات میں دعویٰ کیا گیا ہے، ایک بہت بڑا مغالطہ، انتہائی بددیانتی اور تلبیس کاری ہے۔

کیا قرآن و حدیث میں کہیں بھی یہ موجود ہے کہ فوت شدہ شخص کو اپنی مدد کے لئے پکارو کہ وہ بھی عون الہی کا مظہر ہیں؟ کیا انبیاء علیہم السلام نے اپنے پیشرو پیغمبروں سے استمداد و استعانت کی؟ کیا صحابہ کرام نے قبروں میں مدفون بزرگوں سے اپنی حاجات طلب کیں؟ انہیں نفع و ضرر کا مالک سمجھا؟ اور آج کل قبروں پر جو کاروبارِ لات و منات کی گرم بازاری ہے کیا عمد صحابہ و تابعین میں اس کی کوئی مثال کسی صحیح سند سے ملتی ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر الفاظ کی شعبہ بازی اور تاویلات کی تلبیس کاری سے شرک کا جواز ثابت نہیں ہو سکتا۔ شرک، شرک ہے چاہے اس کا مرتکب پتھر کا پجاری ہو یا کسی قبر کا مجاور یا کسی فوت شدہ بزرگ سے استمداد و استعانت کرنے والا۔ کیوں کہ یہ سب غیر اللہ میں خدائی صفات تسلیم کرتے ہیں۔ ہندو کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ وہ جس پتھر (مورتی) کی پوجا کر رہا ہے وہ مافوق الاسباب طریقے سے اس کی حاجت روائی پر قادر ہے، قبر کا مجاور بھی قبر میں مدفون جعلی یا حقیقی بزرگ کی بابت یہی عقیدہ رکھتا ہے اور ہزاروں میل کے فاصلے کے باوجود شیخ عبد القادر جیلانی سے استمداد کرنے والے شخص کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ یہ سب اپنے اپنے بزرگوں اور معبودوں کو خدائی صفات کا حامل سمجھ کر انہیں مدد کے لئے پکارتے ہیں اور انہیں مافوق الاسباب طریقے پر فریاد رس سمجھنا، حاجت روا و مشکل کشا سمجھنا اور نافع و ضار سمجھنا، یہی شرک ہے کیوں کہ دور اور نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننا اور ماورائے اسباب طریقے سے حاجت روائی اور مشکل کشائی کرنا، یہ صرف اللہ وحدہ لا شریک لہ کا کام ہے، یہ صفات اللہ کے سوا کسی اور میں اگر تسلیم کی جائیں گی تو شرک ہو گا۔

اس کتاب کے مندرجات فرزندان امت مسلمہ کی سچی خیر خواہی اور ہمدردی کے

مخلصانہ جذبات کے ساتھ نذر قارئین کئے گئے ہیں تاکہ تمام مسلمان بھائیوں کے عقائد کی اصلاح ہو سکے اور عقیدہ توحید اور کتاب و سنت کی بنیاد پر اتحاد بین المسلمین کا جذبہ فروغ پا سکے۔ اس لیے کہ جب تک عقیدہ درست نہیں ہو گا کوئی عبادت یا نیک عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ قبولیت کو نہیں پہنچ سکتا۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو زلیغ و ضلال اور شرک و بدعت سے بچائے اور انہیں صراط مستقیم کو سمجھنے اور اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

إن أريد إلا الإصلاح ما استطعت وما توفيقي إلا بالله عليه
توكلت وإليه أنيب

وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ أجمعین ومن تبعهم
بإحسان إلى يوم الدين



ایک مختصر عربی تفسیر
صحیح احمدیہ کی روشنی میں

تفسیر: حافظ صلاح الدین یوسف
مؤلف: مصطفی الرحمن مبارکپوری

تفسیر اس البیان

قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتاب
کا مختصار اردو زبان میں پہلی بار

قرآن مجید کی روشنی میں
مؤلف: حافظ صلاح الدین یوسف
مؤلف: مصطفی الرحمن مبارکپوری

مختصر صحیح بخاری

عالم عرب میں پڑھا جانے والا
احادیث مبارکہ کا مقبول ترین مجموعہ

مؤلف: حافظ صلاح الدین یوسف
مؤلف: مصطفی الرحمن مبارکپوری

ریاض الصالحین

فہمی حکام مسائل کا انسائیکلو پیڈیا

مؤلف: حافظ صلاح الدین یوسف
مؤلف: مصطفی الرحمن مبارکپوری

بلوغ المرام

کتاب زندگی کا انسائیکلو پیڈیا
زندگی کے ہر مسئلے کا شرعی حل

مؤلف: حافظ صلاح الدین یوسف
مؤلف: مصطفی الرحمن مبارکپوری

المسلم

پیش کی روشنی میں قرآن مجید
سورہ صافات میں مذکور

مؤلف: حافظ صلاح الدین یوسف
مؤلف: مصطفی الرحمن مبارکپوری

تجلیات نبوت



دارالسلام

کتاب و سنت کی اہمیت کا عالمی ادارہ
پیش کی روشنی میں قرآن مجید
سورہ صافات میں مذکور